AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

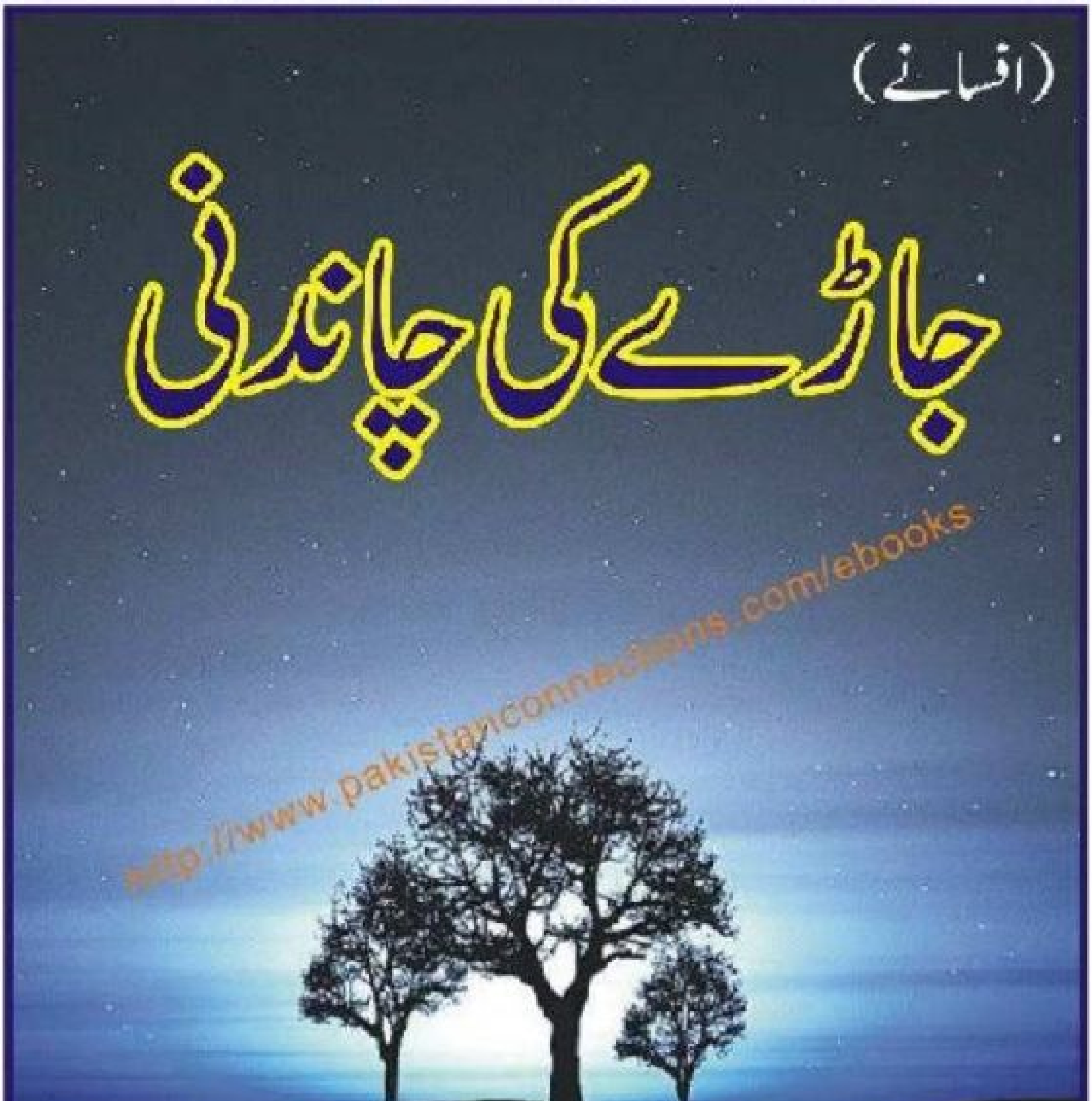

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

جاڑے کی چاندنی

(افسانے)

غلام عباس

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اوورکوٹ

جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا اور چیئرنگ کراس کا رخ کر کے خراماں خراماں پٹڑی پر چلنے لگا۔ یہ نوجوان اپنی تراش خراش سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ لمبی لمبی قلمیں چمکتے ہوئے بال' باریک باریک مونچھیں گویا سرمے کی سلائی سے بنائی گئی ہوں' بادامی رنگ کا گرم اوورکوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا' سر پر سبز فلیٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی' سفید سلک کا گلوبند گلے کے گرد لپٹا ہوا' ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں' دوسرے میں بید کی ایک چھوٹی چھڑی پکڑے ہوئے' جسے کبھی کبھی وہ مزے میں آ کے گھمانے لگتا تھا۔

یہ ہفتے کی شام تھی۔ بھرپور جاڑے کا زمانہ' سرد اور تند ہوا کسی تیز دھات کی طرح جسم پر آ آ کے لگتی تھی۔ مگر اس نوجوان پر اس کا کچھ اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اور لوگ تو خود کو گرم کرنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے مگر اسے اس کی ضرورت نہ تھی۔ جیسے اس کڑکڑاتے جاڑے میں اسے ٹہلنے میں بڑا مزہ آ رہا ہو۔

اس کی چال ڈھال سے ایسا بانکپن ٹپکتا تھا کہ تانگے والے دور ہی سے دیکھ کے سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کی طرف لپکتے۔ مگر وہ چھڑی کے اشارے سے نہیں کر دیتا۔ ایک خالی ٹیکسی بھی اسے دیکھ کر رکی مگر اس نے "نو تھینک یو" کہہ کر اسے بھی ٹال دیا۔

جیسے جیسے وہ مال کے زیادہ بارونق حصے کی طرف پہنچتا جاتا تھا۔ اس کی چونچالی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ وہ منہ سے سیٹی بجا کر رقص کی ایک انگریزی دھن نکالنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے پاؤں بھی تھرکتے ہوئے اٹھنے لگے۔ ایک دفعہ جب آس پاس کوئی نہیں تھا تو یکبارگی کچھ ایسا جوش آیا کہ اس نے دوڑ کر جھوٹ موٹ بال دینے کی کوشش کی' گویا کرکٹ کا کھیل ہو رہا ہو۔

راستے میں وہ سڑک آئی جو لارنس گارڈن کی طرف جاتی تھی۔ مگر اس وقت شام کے دھندلکے اور سخت کہرے میں اس باغ پر کچھ ایسی اداسی برس رہی تھی کہ اس نے ادھر کا رخ نہ کیا اور سیدھا چیئرنگ کراس کی طرف چلتا رہا۔

ملکہ کے بت کے قریب پہنچ کر اس کی حرکات و سکنات میں کسی قدر متانت پیدا ہو گئی۔ اس نے اپنا رومال نکالا جسے جیب میں رکھنے کی بجائے اس نے کوٹ کی بائیں آستین میں اڑس رکھا تھا اور ہلکے ہلکے چہرے پر پھیرا۔ تاکہ کچھ گرد جم گئی ہو تو اتر جائے۔ بت

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

کے آس پاس لان کے ایک گوشے میں کچھ انگریز بچے ایک بڑی سی گیند سے کھیل رہے تھے۔ وہ رک گیا اور بڑی دلچسپی سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ بچے کچھ دیر تو اس کی نظروں سے بے پروا کھیل میں مصروف رہے مگر جب وہ تکے ہی چلا گیا تو وہ رفتہ رفتہ شرمانے سے لگے اور پھر اچانک گیند سنبھال ہنستے ہوئے اور ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ گھاس کے اس ٹکڑے ہی سے چلے گئے۔

نوجوان کی نظر سیمنٹ کی ایک خالی بنچ پر پڑی اور اس پر آ کے بیٹھ گیا۔ اس وقت شام کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ سردی اور بھی بڑھتی جا رہی تھی اس کی یہ شدت ناخوشگوار نہ تھی بلکہ لذت پرستی کی ترغیب دیتی تھی۔ شہر کے عیش پسند طبقے کا تو کہنا ہی کیا وہ تو اس بہانے کچھ زیادہ کھل کھیلتا ہے تنہائی میں بسر کرنے والے بھی اس سے ورغلائے جاتے ہیں اور وہ اپنے کونوں کھدروں سے نکل محفلوں اور مجمعوں میں جانے کی سوچنے لگتے ہیں تا کہ جسموں کے قرب سے گرمی حاصل ہو۔ حصول لذت کی یہی جستجو لوگوں کو مال پر کھینچ لائی تھی اور وہ حسب توفیق ریستورانوں' کافی ہاؤسوں' رقص گاہوں' سینماؤں اور تفریح کے دوسرے مقاموں پر محظوظ ہو رہے تھے۔

مال روڈ پر موٹروں تانگوں اور سائیکلوں کا تانتا بندھا ہوا تو تھا ہی پٹڑی پر چلنے والوں کی بھی کثرت تھی۔ علاوہ ازیں سڑک کی دو رویہ دکانوں میں خرید و فروخت کا بازار بھی گرم تھا۔ جن کم نصیبوں کو نہ تفریح طبع کی استطاعت تھی نہ خرید و فروخت کی وہ دور ہی سے کھڑے کھڑے ان تفریح گاہوں اور دوکانوں کی رنگا رنگ روشنیوں سے جی بہلا رہے تھے۔

نوجوان سیمنٹ کی بنچ پر بیٹھا اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے زن و مرد کو غور سے دیکھ رہا تھا اس کی نظر ان کے چہروں سے کہیں زیادہ ان کے لباس پر پڑتی تھی۔ ان میں ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ تھے۔ بڑے بڑے تاجر' سرکاری افسر' لیڈر' فنکار' کالجوں کے طلبا و طالبات' نرسیں' اخباروں کے نمائندے' دفتروں کے بابو' زیادہ تر لوگ اوور کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے اوور کوٹ قراقلی کے بیش قیمت اوور کوٹ سے لے کر خاکی پٹی کے پرانے فوجی اوور کوٹ تک جسے نیلام میں خریدا گیا تھا۔

نوجوان کا اپنا اوور کوٹ تھا تو خاصا پرانا مگر اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا پھر وہ سلا ہوا بھی کسی ماہر درزی کا تھا۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ کالر خوب جما ہوا تھا۔ بانہوں کی کریزیں بڑی نمایاں' سلوٹ کہیں نام کو نہیں' بٹن سینگ کے بڑے بڑے چمکتے ہوئے' نوجوان اس میں بہت مگن معلوم ہوتا تھا۔

ایک لڑکا پان بیڑی' سگریٹ کا صندوقچہ گلے میں ڈالے سامنے سے گزرا نوجوان نے آواز دی۔ ''پان والا''

''جناب''

''دس کا چینج ہے؟''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''ہے تو نہیں' لا دوں گا۔ کیا لیں گے آپ؟''

''نوٹ لے کے بھاگ گیا تو؟''

''اجی واہ' کوئی چور اچکا ہوں جو بھاگ جاؤں گا۔ اعتبار نہ ہو تو میرے ساتھ چلئے۔ لیں گے کیا آپ؟''

''نہیں نہیں' ہم خود چینج لائے گا۔ لو یہ اکنی نکل آئی' ایک سگریٹ دے دو اور چلے جاؤ۔''

لڑکے کے جانے کے بعد مزے مزے سے سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ وہ ویسے ہی بہت خوش نظر آتا تھا سگریٹ کے دھوئیں نے اس پر سرور کی کیفیت طاری کر دی۔

ایک چھوٹی سی سفید رنگ بلی سردی میں ٹھٹھری ہوئی بنچ کے نیچے اس کے قدموں کے پاس آ کر میاؤں میاؤں کرنے لگی۔ اس نے پچکارا تو اچھل کر بنچ پر آ چڑھی۔ اس نے پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

''پور لٹل سول''

اس کے بعد وہ بنچ سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور سڑک کو پار کر کے اس طرف چلا جدھر سینما کی رنگ برنگی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ تماشا شروع ہو چکا تھا۔ سینما کے برآمدے میں بھیڑ نہ تھی۔ صرف چند لوگ تھے جو آنے والے فلموں کی تصویروں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ تصویریں چھوٹے بڑے کئی بورڈوں پر چسپاں تھیں۔ ان میں کہانی کے چیدہ چیدہ مناظر دکھائے گئے تھے۔

تین نوجوان اینگلو انڈین لڑکیاں ان تصویروں کو ذوق وشوق سے دیکھ رہی تھیں۔ ایک خاص شان استغنا کے ساتھ مگر صنف نازک کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ مگر مناسب فاصلے سے ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں بھی کرتی جاتی تھیں اور فلم پر رائے زنی بھی۔ اتنے میں ایک لڑکی نے' جو اپنی ساتھ والیوں سے زیادہ حسین بھی تھی اور شوخ بھی۔ دوسری لڑکی کے کان میں کچھ کہا۔ جسے سن کر اس نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر وہ تینوں ہنستی ہوئی باہر نکل گئیں۔ نوجوان نے اس کا کچھ اثر قبول نہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بھی سینما کی عمارت سے باہر نکل آیا۔

اب سات بج چکے تھے اور وہ مال کی پٹڑی پر پھر پہلے کی طرح مٹر گشت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ ایک ریستوران میں آرکسٹرا بج رہا تھا۔ اندر سے کہیں زیادہ باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ ان میں زیادہ تر موٹروں کے ڈرائیور' کوچوان' پھل بیچنے والے جو اپنا مال بیچ کے خالی ٹوکرے لئے کھڑے تھے۔ کچھ راہ گیر جو چلتے چلتے ٹھہر گئے تھے کچھ مزدوری پیشہ لوگ تھے اور کچھ گداگر۔ یہ اندر والوں سے کہیں زیادہ گانے کے رسیا معلوم ہوتے تھے کیونکہ وہ غل غپاڑہ نہیں مچا رہے تھے بلکہ خاموشی سے نغمہ سن رہے تھے۔ حالانکہ دھن اور ساز

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اجنبی تھے۔ نوجوان پل بھر کے لیے رکا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دور چل کے اسے انگریزی موسیقی کی ایک بڑی سی دکان نظر آئی اور وہ بلا تکلف اندر چلا گیا۔ ہر طرف شیشے کی الماریوں میں طرح طرح کے انگریزی ساز رکھے ہوئے تھے۔ ایک لمبی میز پر مغربی موسیقی کی دو ورقی کتابیں چنی تھیں۔ یہ نئے چلتر گانے تھے۔ سرورق خوبصورت رنگ دار مگر دھنیں گھٹیا۔ ایک چھچھلتی ہوئی نظر ان پر ڈالی پھر وہاں سے ہٹ آیا اور سازوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک ہسپانوی گٹار پر جو ایک کھونٹی سے ٹنگی ہوئی تھی ناقدانہ نظر ڈالی اور اس کے ساتھ قیمت کا جو ٹکٹ لٹک رہا تھا اسے پڑھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑا جرمن پیانو رکھا ہوا تھا۔ اس کا کور اٹھا کے انگلیوں سے بعض پردوں کو ٹٹولا اور پھر کور بند کر دیا۔

پیانو کی آواز سن کر دکان کا ایک کارندہ اس کی طرف بڑھا۔ ''گڈ ایوننگ سر' کوئی خدمت؟''

''نہیں شکریہ' ہاں گراموفون ریکارڈوں کی فہرست دے دو اس مہینے کی۔''

فہرست لے کے اوور کوٹ کی جیب میں ڈالی۔ دکان سے باہر نکل آیا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ راستے میں ایک چھوٹا سا بک اسٹال آیا۔ نوجوان یہاں بھی رکا' کئی تازہ رسالوں کے ورق الٹے۔ رسالہ جہاں سے اٹھاتا بڑی احتیاط سے وہیں رکھ دیتا۔ اور آگے بڑھا تو قالینوں کی ایک دکان نے اس کی توجہ کو جذب کیا۔ مالک دکان نے جو ایک لمبا سا چغہ پہنے اور سر پر کلا رکھے تھا' گرمجوشی سے اس کی آؤ بھگت کی۔

''ذرا یہ ایرانی قالین دیکھنا چاہتا ہوں۔ اتاریئے نہیں۔ یہیں دیکھ لوں گا۔ کیا قیمت ہے اس کی؟''

''چودہ سو بتیس روپے''

نوجوان نے اپنی بھنوؤں کو سکیڑا' جس کا مطلب تھا۔ ''اوہو اتنی!''

دکاندار نے کہا ''آپ پسند کر لیجئے ہم جتنی بھی رعایت کر سکتے ہیں کر دیں گے۔''

''شکریہ' لیکن اس وقت تو میں صرف ایک نظر دیکھنے آیا ہوں۔''

''شوق سے دیکھئے' آپ ہی کی دکان ہے۔''

دو تین منٹ کے بعد اس دکان سے بھی نکل آیا۔ اس کے اوور کوٹ کے کاج میں شربتی رنگ کا جو ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا تھا وہ اس وقت کاج سے کچھ زیادہ باہر نکل آیا تھا۔ جب وہ اس کو ٹھیک کر رہا تھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف اور پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے پھر اپنی مٹر گشت شروع کر دی۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اب وہ ہائیکورٹ کی عمارتوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اتنا کچھ چل لینے کے بعد بھی اس کی فطری چونچالی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔ نہ تکان محسوس ہوئی تھی نہ اکتاہٹ۔ یہاں پٹڑی پر چلنے والوں کی ٹولیاں کچھ چھٹ سی گئی تھیں اور ان میں کافی فاصلہ رہنے لگا تھا۔ اس نے اپنی بید کی چھڑی کو ایک انگلی پر گھمانے کی کوشش کی۔ مگر کامیابی نہ ہوئی اور چھڑی زمین پر گر پڑی ''اوہ سوری'' کہہ کر زمین پر جھکا اور چھڑی کو اٹھالیا۔

اس اثنا میں ایک نوجوان جوڑا جو اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا اس کے پاس سے گزر کر آگے نکل آیا۔ لڑکا دراز قامت تھا اور سیاہ کورڈرائے کی پتلون اور زپ والی چمڑے کی جیکٹ پہنے تھا اور لڑکی سفید ساٹن کی گھیر دار شلوار اور سبز رنگ کا کوٹ۔ وہ بھاری بھر کم سی تھی۔ اس کے بالوں میں ایک لمبا سا سیاہ چٹلا گندھا ہوا تھا جو اس کی کمر سے بھی نیچا تھا۔ لڑکی کے چلنے سے اس چٹلے کا پھندنا اچھلتا کودتا پے در پے اس کے فربہ جسم سے ٹکراتا۔ نوجوان کے لئے جواب ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا یہ نظارہ خاصا جاذب نظر تھا۔ وہ جوڑا کچھ دیر تک تو خاموش چلتا رہا۔ اس کے بعد لڑکے نے کچھ کہا۔ جس کے جواب میں لڑکی اچانک چمک کر بولی۔ ''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔''

''سنو میرا کہنا مانو۔'' لڑکے نے نصیحت کے انداز میں کہا۔ ''ڈاکٹر میرا دوست ہے، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔''

''نہیں نہیں نہیں''

''میں کہتا ہوں تمہیں ذرا تکلیف نہ ہوگی۔''

لڑکی نے کچھ جواب نہ دیا۔

''تمہارے ماں باپ کو کتنا رنج ہوگا۔ ذرا ان کی عزت کا بھی تو خیال کرو۔''

''چپ رہو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

نوجوان نے شام سے اب تک اپنی مٹر گشت کے دوران میں جتنی انسانی شکلیں دیکھی تھیں ان میں سے کسی نے بھی اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کیا تھا۔ فی الحقیقت ان میں کوئی جاذبیت تھی ہی نہیں۔ یا پھر وہ اپنے حال میں ایسا مست تھا کہ کسی دوسرے سے اسے سروکار ہی نہ تھا۔ مگر اس دلچسپ جوڑے نے جس میں کسی افسانے کے کرداروں کی سی ادا تھی، جیسے یکبارگی اس کے دل کو موہ لیا تھا اور اسے حد درجہ مشتاق بنا دیا کہ وہ ان کی اور بھی باتیں سنے اور ہو سکے تو قریب سے ان کی شکلیں بھی دیکھ لے۔

اس وقت وہ تینوں بڑے ڈاک خانے کے چوراہے کے پاس پہنچ گئے۔ لڑکا اور لڑکی پل بھر کو رکے اور پھر سڑک پار کر کے میکلوڈ

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

روڈ پر چل پڑے۔ نوجوان مال روڈ پر ہی ٹھہرا رہا۔ شاید وہ سمجھتا تھا کہ فی الفور ان کے پیچھے گیا تو ممکن ہے انہیں شبہ ہو جائے کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے اس لئے اسے کچھ لمحے رک جانا چاہیے۔

جب وہ لوگ کوئی سو گز آگے نکل گئے تو اس نے لپک کر ان کا پیچھا کرنا چاہا۔ مگر ابھی اس نے آدھی ہی سڑک پار کی ہوگی کہ اینٹوں سے بھری ہوئی ایک لاری پیچھے سے بگولے کی طرح آئی اور اسے کچلتی ہوئی میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گئی۔ لاری کے ڈرائیور نے نوجوان کی چیخ سن کر پل بھر کے لیے گاڑی کی رفتار کم کی۔ پھر وہ سمجھ گیا کہ کوئی لاری کی لپیٹ میں آ گیا اور وہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاری کو لے بھاگا۔ دو تین راہ گیر جو اس حادثے کو دیکھ رہے تھے' شور مچانے لگے۔ نمبر دیکھو' نمبر دیکھو۔ مگر لاری ہوا ہو چکی تھی۔

اتنے میں کئی اور لوگ جمع ہو گئے۔ ٹریفک کا انسپکٹر جو موٹر سائیکل پر جا رہا تھا رک گیا۔ نوجوان کی دونوں ٹانگیں بالکل کچلی گئی تھیں۔ بہت سا خون نکل چکا تھا اور وہ سسک رہا تھا۔

فوراً ایک کار کو روکا گیا اور اسے جیسے تیسے اس میں ڈال کر بڑے ہسپتال روانہ کر دیا گیا جس وقت وہ ہسپتال پہنچا تو اس میں ابھی رمق بھر جان باقی تھی۔

اس ہسپتال کے شعبہ حادثات میں اسسٹنٹ سرجن مسٹر خان اور دو نوعمر نرسیں مس شہناز اور مس گل ڈیوٹی پر تھیں۔ جس وقت اسے سٹریچر پر ڈال کر آپریشن روم میں لے جایا جا رہا تھا تو ان نرسوں کی نظر اس پر پڑی۔ اس کا بادامی رنگ کا اوور کوٹ ابھی تک اس کے جسم پر تھا اور سفید سلک کا مفلر گلے میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کے کپڑوں پر جا بجا خون کے بڑے بڑے دھبے تھے۔ کسی نے از راہ دردمندی اس کی سبز فلیٹ ہیٹ اٹھا کے اس کے سینہ پر رکھ دی تھی تاکہ کوئی اڑا نہ لے جائے۔

شہناز نے گل سے کہا۔ ''کسی بھلے گھر کا معلوم ہوتا ہے۔''

گل دبی آواز میں بولی۔ ''خوب بن ٹھن کے نکلا تھا بے چارہ ہفتے کی شام منانے۔''

''ڈرائیور پکڑا گیا یا نہیں؟''

''نہیں بھاگ گیا۔''

''کتنے افسوس کی بات ہے۔''

آپریشن روم میں اسسٹنٹ سرجن اور نرسیں چہروں پر جراحی کے نقاب چڑھائے جنہوں نے ان کی آنکھوں سے نیچے کا سارا

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

حصہ چھپا رکھا تھا' اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ اسے سنگ مرمر کی میز پر لٹا دیا گیا۔ اس نے سر میں جو تیز خوشبودار تیل ڈال رکھا تھا۔ اس کی کچھ کچھ مہک ابھی تک باقی تھی۔ پٹیاں ابھی تک جمی ہوئی تھیں۔ حادثے سے اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں مگر سر کی مانگ نہیں بگڑنے پائی تھی۔

اب اس کے کپڑے اتارے جا رہے تھے۔ سب سے پہلے سفید سلک کا گلوبند اس کے گلے سے اتارا گیا۔ اچانک نرس شہناز اور نرس گل نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا' اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔ چہرے جو دلی کیفیات کا آئینہ ہوتے ہیں جراحی کے نقاب تلے چھپے ہوئے تھے اور زبانیں بند۔

نوجوان کے گلوبند کے نیچے نکٹائی اور کالر کیا' سرے سے قمیض ہی نہیں تھی۔ اوورکوٹ اتارا گیا تو نیچے سے ایک بہت بوسیدہ اونی سویٹر نکلا جس میں جابجا بڑے بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے سویٹر سے بھی زیادہ بوسیدہ اور میلا کچیلا ایک بنیان نظر آ رہا تھا۔ نوجوان سلک کے گلوبند کو کچھ اس ڈھب سے گلے پر لپیٹے رکھتا تھا کہ اس کا سارا سینہ چھپا رہتا تھا۔ اس کے جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم سے کم پچھلے دو مہینے سے نہیں نہایا البتہ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پوڈر لگا ہوا تھا۔ سویٹر اور بنیان کے بعد پتلون کی باری آئی اور شہناز اور گل کی نظریں پھر بیک وقت اٹھیں۔

پتلون کو پیٹی کی بجائے ایک پرانی دھجی سے جو شاید کبھی نکٹائی ہو گی خوب کس کے باندھا گیا تھا۔ بٹن اور بکسوئے غائب تھے۔ دونوں گھٹنوں پر سے کپڑا مسک گیا تھا اور کئی جگہ کھونچیں لگی تھیں مگر چونکہ یہ حصے اوورکوٹ کے نیچے رہتے تھے۔ اس لئے لوگوں کی ان پر نظر نہیں پڑتی تھی۔

اب بوٹ اور جرابوں کی باری آئی اور ایک مرتبہ پھر مس شہناز اور مس گل کی آنکھیں چار ہوئیں۔

بوٹ تو پرانے ہونے کے باوجود خوب چمک رہے تھے۔ مگر ایک پاؤں کی جراب دوسرے پاؤں کی جراب سے بالکل مختلف تھی پھر دونوں جرابیں پھٹی ہوئی بھی تھیں۔ اس قدر کہ ان میں سے نوجوان کی میلی میلی ایڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

بلاشبہ اس وقت تک وہ دم توڑ چکا تھا۔ اس کا جسم سنگ مرمر کی میز پر بے جان پڑا تھا۔ اس کا چہرہ جو پہلے چھت کی سمت تھا' کپڑے اتارنے میں دیوار کی طرف مڑ گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جسم اور اس کے ساتھ روح کی اس برہنگی نے اسے خجل کر دیا ہے اور وہ اپنے ہم جنسوں سے آنکھیں چرا رہا ہے۔

اس کے اوورکوٹ کی مختلف جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں وہ یہ تھیں۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ایک چھوٹی سی سیاہ کنگھی' ایک رومال' ساڑھے چھ آنے' ایک بجھا ہوا آدھا سگریٹ' ایک چھوٹی سی ڈائری جس میں لوگوں کے نام اور پتے لکھے تھے۔

نئے گراموفون ریکارڈوں کی ایک ماہانہ فہرست اور کچھ اشتہار جو مٹرگشت کے دوران میں اشتہار بانٹنے والوں نے اس کے ہاتھ میں تھما دیئے تھے۔ اور اس نے انہیں اوورکوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

افسوس کہ اس کی بید کی چھڑی جو حادثے کے دوران میں کہیں کھو گئی تھی اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اس کی بیوی

وہ دونوں تیسری منزل کے ایک کمرے میں تھے۔ یہ چھوٹا سا کمرہ اپنی ہلکی نیلی روشنی کے ساتھ باہر سے یوں دکھائی دیتا' گویا ٹرین کا کوئی ڈبہ ہے۔ جس طرح ریلوے والے گرمی کے موسم میں ''فردوس کیمیں'' یا ''خواب یاسمیں'' وغیرہ شاعرانہ نام رکھ کر بعض خاص گاڑیوں میں جوڑ دیتے ہیں۔

بارشوں کا زمانہ قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ مکانوں میں بسنے والی مخلوق نے پسینے' بدبو اور گھٹن سے نجات پائی تھی۔ فضا میں خصوصاً رات کے وقت خنکی ہونے لگی تھی۔ ہاں جب کوئی بڑا سا کالے رنگ کا پتنگا اپنی تیز بھنبھناہٹ کے ساتھ اندھا دھند کسی برقی قمقمے کے چکر کاٹنے لگتا تو ظاہر ہو جاتا کہ برکھا رت ابھی گئی نہیں۔

''نجمہ بھی ٹھیک اسی طرح سیدھی مانگ نکالا کرتی۔'' نوجوان نے کہا۔ ''مگر کبھی کبھی وہ گدی تک مانگ لے جاتی۔ یہ طریقہ اس نے ایک بنگالن سے سیکھا تھا۔''

نسرین چپ رہی۔ نظریں فرشی سنگھار میز کے آئینے پر جمائے جس میں اسے اپنا دھندلا دھندلا نیلگوں عکس دکھائی دے رہا تھا وہ بالوں میں کنگھی کرتی رہی جیسا کہ سونے سے پہلے بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔

نوجوان اس کے پاس ہی چاندنی پر کہنیوں کے بل اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ یوں لیٹنے سے اس کی سفید سلک کی قمیض اور خاکی زین کی پتلون میں جا بجا سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ اس نے چند لمحے جواب کا انتظار کیا۔ اور پھر کہنا شروع کیا۔ ''کبھی کبھی نجمی اپنے داہنے کان کے پاس سے اپنے بھورے بالوں کی ایک لٹ نکال کر لام (ل) سا بنا لیا کرتی جو اس کے سرخ و سفید بھرے بھرے گال پر بہت بھلا لگتا۔''

نسرین کے چہرے پر خفیف سی اضمحلال کی کیفیت پیدا ہوئی۔ مگر زبان سے اب بھی اس نے کچھ نہ کہا۔ وہ سوچ رہی تھی' یہ کیسا مرد ہے۔ جس کے پاس بات کرنے کو بیوی کے سوا اور کوئی موضوع ہی نہیں۔ وہ دو گھنٹے سے برابر اسی عورت کا ذکر کرنے جا رہی تھی جو اب دنیا میں موجود نہ تھی۔ ان دو گھنٹوں میں اس نوجوان کی متاہل زندگی کے تمام اہم واقعات اور اس کی مرحوم بیوی کی بہت سی عادتوں اور

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

خصلتوں سے واقف ہو چکی تھی ۔ یہ کہ اسے بچپن ہی سے اپنی بیوی سے عشق تھا۔ یہ کہ نجمہ کا باپ ان کی شادی کے خلاف تھا مگر ماموں اور چچا حق میں تھے۔ یہ کہ نجمہ لمبے قد کی تھی۔ اسے گانا سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ جب وہ ہنستی تو اس کے بائیں گال میں گڑھا پڑ جاتا۔ اسے حنا کا عطر بہت مرغوب تھا۔ وہ کروشئے سے مور بہت اچھا بنایا کرتی۔

شروع شروع میں نسرین کو اس ذکر سے کچھ یوں ہی دلچسپی ہوئی تھی جیسا کہ ابتدا میں عموماً ایک عورت کو دوسری عورت کے ذکر سے ہوا کرتی ہے مگر جلد ہی وہ اس سے بیزار ہو گئی تھی اور آخر جب اس کی جمائیاں اور انگڑائیاں بھی اس موضوع سے اس کا پیچھا نہ چھڑا سکیں تو زچ ہو کر اس نے چپ سادھ لی تھی۔

وہ اب چوٹی کر کے جوڑا باندھ چکی تھی اور ان ہیر پنوں اور کلپوں کو جن سے وہ اپنے بالوں کی آرائش میں مدد لیا کرتی' فرش سے اٹھا اٹھا کر سنگھار میز کے خانے میں ڈال رہی تھی۔ اسی اثنا میں نوجوان کی نظریں اس کی گوری گوری انگلیوں کی خفیف ترین حرکات کا بھی تعاقب کر رہی تھیں۔

دو منٹ خاموشی میں گزر گئے۔

کئی دن ہوئے اس نوجوان نے نسرین کو دیکھا تھا اسے دیکھتے ہی اسے اپنی مرحوم بیوی کی یاد بے طرح ستانے لگی تھی اور وہ اس سے ملنے کی تدبیریں کرنے لگا تھا اور جب اس نے اس قدر روپیہ جمع کر لیا کہ دو راتوں کے لئے اس عورت کو خرید سکے تو اس نے سیدھا اس کے گھر کا رخ کیا۔

''میری بیوی۔۔۔۔۔۔''

''تو گویا بہت محبت تھی آپ کو بیگم صاحبہ سے!'' بالآخر نسرین نے بات کاٹ کر کہا۔ جب ایک آدمی بولے ہی چلا جائے تو دوسرا کب چپ رہ سکتا ہے۔

''بے حد'' بے ساختہ نوجوان کے منہ سے نکلا۔ وہ اس کے طعن کو نہیں سمجھ سکا تھا۔

''مگر صاحب آپ کی باتیں بھی عجیب ہیں۔'' ایک انتقامی جذبہ اس میں بیدار ہو رہا تھا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا وہ کیسی محبت تھی جو اس کے مرنے کے تین مہینے بعد رفوچکر ہو گئی اور اب۔۔۔۔۔۔''

وہ فقرہ مکمل نہ کر سکی۔ شاید اسکی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ نوجوان اس کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر گم سم رہا۔ پھر اس نے اپنی صاف اور روشن آنکھیں اٹھا کر' جن میں مجرمانہ گھبراہٹ یا گنہگارانہ ندامت کی کوئی علامت نہ تھی' نسرین کے چہرے کی طرف

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

دیکھا۔ پھر وہ آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا کہ شاید لیٹے رہنے سے وہ اپنی مدافعت پورے طور پر نہ کر سکے۔ اس کے ہونٹ پل بھر کو لرزے۔ مگر زبان کچھ نہ کہہ سکی۔

چند لمحوں تک دونوں خاموش بیٹھے رہے اس کے بعد نسرین انگڑائی لیتی ہوئی بغیر کچھ کہے کمرے سے نکل گئی۔

کوئی پاؤ گھنٹے بعد وہ واپس آئی۔ زیور وغیرہ اس نے اتار دیئے تھے اور شب خوابی کے لئے ایک سادہ سی اجلی دھوتی باندھ لی تھی۔ وہ اس قدر آہستہ سے داخل ہوئی کہ نوجوان نے اس کے قدموں کی چاپ تک نہیں سنی۔ وہ چاندنی پر پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اس کی عمر چوبیں پچیس برس سے کم نہ ہوگی۔ مگر اس وقت برقی لیمپ کی مدھم نیلی روشنی میں وہ اپنی چھوٹی چھوٹی سیاہ مونچھوں' گھنے ابروؤں اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کالج کی کسی ابتدائی جماعت کا طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سامنے چاندنی پر مٹر کے دانے کے برابر ایک سیاہ پتنگا چت پڑا تھا۔ جو شاید برقی قمقمے سے ٹکرا کر نیچے آ رہا تھا۔ پتنگا اپنی ننھی ننھی بال سی ٹانگیں ہوا میں ہلا ہلا کر اور سر کو فرش پر رگڑ رگڑ کر سیدھا ہونے کی کوشش کرتا' مگر جہاں اسے ذرا کامیابی ہوتی تو نوجوان ایک بجھی ہوئی دیا سلائی کے سرے سے پھر اسے اوندھا کر دیتا۔

جب نسرین بالکل اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تو وہ چونک پڑا۔

''اوہ آپ ہیں'' اور اس نے کچھ شرمندہ سا ہو کر پتنگے کو دیا سلائی سے پرے اچھال دیا۔

''بیگم صاحب کے مرنے کا رنج تو بہت ہوا ہوگا آپ کو؟'' یہ سوال کر کے وہ خود حیران رہ گئی۔

نوجوان نے لمحہ بھر تامل کیا اور پھر سنجیدہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

''نہیں' شروع شروع میں کچھ ایسا غم نہیں ہوا تھا۔ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ایسا ہو گیا ہے۔ مگر میں زیادہ دن اس فریب میں نہ رہ سکا۔ میں بیمار پڑ گیا۔ مہینہ بھر چارپائی پر پڑا رہا۔ جب میری حالت بہت خراب ہو جاتی تو امی جان اور زہری' یہ میری چھوٹی بہن کا نام ہے' میرے سرہانے آ کھڑی ہو جاتیں اور ایسی چپ چاپ سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتیں کہ میں جلدی سے آنکھیں بند کر لیتا اور چاہتا کہ نہ مروں۔ بس پھر میں رفتہ رفتہ تندرست ہوتا گیا۔''

اس کے لہجے نے نسرین کو متاثر کیا۔

دو تین لمحے پھر دونوں چپ رہے۔

''آپ نے کہا تھا۔'' اچانک نسرین کے لہجے میں شوخی جھلکنے لگی۔ ''میری شکل بیگم صاحب سے ملتی جلتی ہے۔ بھلا کیا چیز ملتی ہے؟''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

نوجوان نے پل بھر غور کیا۔

"سب سے زیادہ تمہاری آنکھیں نجمی سے ملتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ مگر لہجے سے ابھی افسردگی کا اثر دور نہیں ہوا تھا۔ "ویسی ہی سیاہ اور گہری' دوسرے نمبر پر تھوڑی ویسی ہی پتلی اور تیسرے نمبر پر۔۔۔۔۔۔"

"چلیئے ہٹئے بنائیے نہیں۔"

"تمہارے بال' تمہاری گردن۔۔۔۔۔۔"

نوجوان کی فطری چونچالی تیزی سے بحال ہو رہی تھی اور نسرین خود کو روکے ہوئے تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی اور سوال نہ کر بیٹھے۔

آدھ گھنٹے بعد روشنی گل کر دی گئی اور وہ دونوں کھڑکی کے پاس پلنگ پر دراز ہو گئے تھے۔ نوجوان جورات کو جلد ہی سو جانے کا عادی تھا زیادہ دیر تک نہ جاگا مگر نسرین آنکھیں کھولے دیر تک کھڑکی میں سے آسمان کو دیکھتی رہی۔

یہ قمری مہینے کی آخری تاریخوں کی ایک رات تھی۔ آسمان صاف مگر تاریک تاریک سا تھا۔ ستارے اس قدر تیزی سے چمک رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا زمین کے قریب سرک آئے ہیں۔ نسرین ستاروں کو ہمیشہ دلچسپی سے دیکھا کرتی تھی۔ سب سے پہلے وہ ستاروں سے آشنا ہوئی تھی۔ اس کی عمر چار برس کی تھی۔ ماں مر چکی تھی مگر باپ زندہ تھا۔ اس نے باپ کے ساتھ ریل گاڑی میں ایک لمبا سفر کیا تھا۔ آدھی رات کو وہ دونوں ایک چھوٹے سے دیہاتی اسٹیشن پر اترے تھے۔ اسی اسٹیشن پر لالٹین کی مدھم روشنی میں ایک موٹے ننگ دھڑنگ فقیر نے اسے ایسی لال لال ڈراؤنی آنکھوں سے گھورا تھا کہ اس کی چیخ نکل گئی تھی اور وہ بے اختیار باپ کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔ کچھ دیر دونوں اسٹیشن ہی پر ٹھہرے رہے مگر کوئی سواری نہ ملی۔ آخر باپ نے اسے گود میں لے لیا۔ گٹھڑی بغل میں ماری اور اندھیرے گھپ میں پیدل چلنا شروع کر دیا۔

یہ سفر بھی بہت لمبا تھا۔ مگر اس کی سہمی ہوئی نظروں نے جلد ہی ستاروں کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ ان کو دیکھ کر اس کا ڈر کم ہونے لگا تھا۔ یہاں تک کہ وہ باپ کے کندھے سے لگ کر سو گئی۔ آنکھ کھلی تو خود کو ایک اجنبی عورت کے گھر پایا۔ وہ کئی دن تک روتی بلکتی رہی مگر باپ کی صورت دیکھنا اسے پھر کبھی نصیب نہ ہوا۔

صبح کو نسرین کی آنکھ کھلی تو سورج خاصا نکل آیا تھا۔ اٹھتے ہی سب سے پہلے اسے جو احساس ہوا' یہ تھا کہ نوجوان اس کے بستر پر موجود نہیں اُس نے سوچا غسل خانے میں ہوگا اور وہ کھلے کھلے بستر پر کروٹیں بدلنے لگی۔

جب پاؤ گھنٹہ گزر گیا اور نوجوان کہیں نظر نہ آیا تو اسے الجھن ہونے لگی۔ شمن جھاڑو لئے کمرے میں آیا تو اس نے پوچھا۔ "وہ

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

رات والے بابو کہاں ہیں؟''

''چلے گئے۔''

''چلے گئے؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''جی ہاں' صبح ہی صبح۔ ہم سب سو رہے تھے۔ دروازہ بھی تو کھلا ہی چھوڑ گئے۔''

''ویسے تو سب خیریت ہے نا؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

''جی سب خیریت ہے۔'' شمن اس کا مطلب فوراً سمجھ گیا تھا۔ ''میں نے اٹھتے ہی سب دیکھ بھال لیا تھا۔''

اپنے شبے کے گھٹیا پن پر اسے شرم آ گئی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس خیال نے اس پر تسلط جما لیا کہ وہ نوجوان چلا کیوں گیا۔ اس نے سوچا' رات اسے میرا طعنہ برا لگا وہ بڑا احساس تھا۔ اوپر اوپر سے ہنستا بولتا رہا۔ صبح ہوتے ہی چل دیا۔

منہ ہاتھ دھو کر نیچے پھوپھی کے پاس جانے کو تھی کہ اچانک کسی کے جلد جلد سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی' نوجوان گیا نہیں تھا۔ وہ رومال میں کچھ باندھے لئے آ رہا تھا۔

''معاف کرنا'' اس نے اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں بتائے بغیر ہی چلا گیا۔ میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔'' ''یہ لو'' یہ کہہ کر اس نے رومال نسرین کے ہاتھ میں دے دیا۔

''کیا ہے؟'' نسرین نے پوچھا۔

''گوشت ترکاری'' یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگا' جیسے اس نے کوئی شرارت کی ہو۔

''گوشت ترکاری! کس نے کہا تھا لانے کو؟''

''خفا کیوں ہوتی ہو؟ بات یوں ہے' جب نجمی زندہ تھی میں یونہی منہ اندھیرے اسے جگائے بغیر گھر سے نکل جاتا' ہوا خوری کی ہوا خوری ہو جاتی اور گھر کا سودا بھی لے آتا۔ ہمیں نوکر رکھنے کی توفیق نہیں تھی۔ بس یونہی مل بانٹ کر کام کیا کرتے۔ وہ گھر کا اور میں باہر کا۔ ذرا دیکھو تو گوشت کیا عمدہ اور تازہ ہے۔ آدھا دست کا اور آدھا پشت کا۔ اور گردا رونگے میں۔ نوکر کا باپ بھی ایسا گوشت نہیں لا سکتا اور پھر ذرا کچنال تو دیکھو' آج ہی شہر میں آئی ہے۔ پھر پیاز بھی ہے' ہری مرچیں بھی اور ادرک بھی اور دھنیا بھی۔''

نوجوان داڑھی بھی منڈواتا آیا تھا۔ تھوڑا سا صابن اس کے کانوں کی لوؤں پر ابھی تک لگا رہ گیا تھا۔ نسرین کا جی چاہا کہ دوپٹہ کے دامن سے صابن کو پونچھ دے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''آپ نے ناحق تکلیف کی۔'' نسرین نے کہا۔''خیر اب لے آئے تو میں شمن کو بلواتی ہوں۔''

''نہیں نہیں اُسے مت بلواؤ۔''

''یہ کیوں؟''

''میں کھانا خود پکاؤں گا۔ جب نجمی زندہ تھی تو کبھی کبھی میں ہنڈیا پکایا کرتا وہ سامنے مونڈھے پر بیٹھی مجھے بتاتی رہتی۔''

''ہمارا شمن بہت ہوشیار ہے۔'' نسرین نے کہا۔''ایسا کھانا پکاتا ہے کہ زبان چٹخارے لیتی رہ جاتی ہے۔''

''نہیں صاحب'' نوجوان نے قطعی فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔''نجمی کچنال ایک خاص ترکیب سے پکایا کرتی تھی وہ ترکیب تو وہ جانتی تھی یا میں جانتا ہوں۔ مہربانی کر کے آپ انگیٹھی' کوئلے اور چاقو منگوا دیجئے۔''

نسرین نے اس سلسلے میں کچھ اور کہنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش سیڑھیوں سے اتر گئی۔

''آؤ بیٹا'' نسرین کی پھوپھی نے اسے دیکھ کر اگالدان میں پیک تھوکتے ہوئے کہا۔''میں ابھی ابھی شمن سے کہہ رہی تھی کہ تمہارا اور اس کا ناشتہ اوپر لے جائے۔''

''میں ناشتہ نہیں کروں گی' اس کے لیے اوپر بھیج دو۔''

''تم چپ چپ کیوں ہو؟''

''نہیں تو۔۔۔۔۔۔''

''شکل سے تو بڑا کم زبان معلوم ہوتا ہے۔''

نسرین نے کچھ جواب نہ دیا۔

''کیا کر رہا ہے اس وقت؟'' پھوپھی نے پوچھا۔

''ہنڈیا کا سودا خرید کر لایا ہے خود ہی پکانے بیٹھا ہے۔''

نسرین کی پھوپھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''سچ؟''

''ہاں ہاں''

''بڑا ہی سیدھا سادہ ہے۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''خبطی ہے پوری رات بھر اپنی مری ہوئی بیوی کی باتیں کر کے دماغ چاٹ گیا۔ شمن کو اس کے پاس بھیج دینا۔ ہاتھ بٹاتا رہے گا۔ میں ذرا نو بہار کے ہاں جاتی ہوں۔''

نسرین کا خیال تھا کہ وہ کم سے کم ایک گھنٹہ نو بہار کے ہاں ضرور ٹھہرے گی مگر پاؤ گھنٹہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اٹھ آئی۔ سیدھی اوپر کی منزل میں پہنچی۔ دیکھا کہ کمرے کے باہر والان میں انگیٹھی دہک رہی ہے اور نوجوان اس کے پاس ہی ایک چھوٹی سی دری پر آلتی پالتی مارے بیٹھا پیاز کتر رہا ہے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ پانی بہہ رہا ہے۔ اس سے ذرا ہٹ کے شمن بیٹھا بڑے مزے سے یہ تماشا دیکھ رہا ہے۔

''شمن!'' نسرین نے کسی قدر سختی سے کہا۔ ''تم بیٹھے منہ کیا تک رہے ہو۔ صاحب سے پیاز لے کر کیوں نہیں کترتے؟''

''میں تو کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں۔'' شمن نے منہ بنا کر کہا۔ ''پر صاحب مانتے ہی نہیں۔ مجھ سے آگ جلانے کو کہا۔ میں نے آگ جلا دی۔''

''اچھا تم نیچے جاؤ۔''

جب شمن چلا گیا' تو نسرین نے کہا۔ ''حضرت یہ اس عمر میں ہنڈیا کلھیا پکانے کی کیا سوجھی ہے۔ لایئے پیاز مجھے دیجئے' اور جا کر آنکھوں پر چھینٹے دیجئے۔''

اور اس نے ہاتھ بڑھا کر نوجوان کی گود سے پیاز کی رکابی خود ہی اٹھا لی' نوجوان نے مزاحمت نہ کی۔ دو گھنٹے کے بعد جب وہ دونوں دستر خوان پر کھانا کھانے بیٹھے تو نوجوان نے کہا۔ ''معاف کرنا' میری وجہ سے تم کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔ بات یہ ہے کہ نجمی۔۔۔۔۔۔''

''باتیں چھوڑیے اور کھانا کھایئے۔''

''واہ کیا مزے کا کھانا پکایا ہے۔'' نوجوان نے پہلا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''نجمی کے ہاتھ کا مزہ یاد آ گیا۔''

''چلیے زیادہ بنایئے نہیں۔ چپاتیاں تو دیکھئے' کیسی ٹیڑھی بینگی ہیں۔''

''چپاتیاں نجمی کو بھی پکانی نہیں آتی تھیں اور میں زیادہ تر تنور ہی سے روٹیاں لگوا کر لایا کرتا تھا۔''

''مجھے تنور کی روٹی زہر لگتی ہے۔''

''کبھی کبھی ہم کوئی سستا سا خانساماں بھی رکھ لیا کرتے' مگر وہ پندرہ بیس روز سے زیادہ نہ نکلتا۔ چپکے چپکے کسی اچھے گھر کی ٹوہ میں رہتا

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اور پھر کھسک جاتا۔"

کھانے سے فارغ ہو کر دونوں کمرے میں فرش پر آ بیٹھے۔

"آپ نے کہا تھا۔" نسرین نے کہا۔ "آج کل آپ کسی دوست کے ہاں رہتے ہیں۔"

"ہاں نجمی کے مرنے کے بعد میں نے امی جان اور زہری کو تو گاؤں بھیج دیا تھا اور خود ایک دوست کے ہاں اٹھ آیا تھا۔ یہ دوست بھی میری طرح اکیلا ہی تھا۔ ہم دونوں مکان کے کرائے' کھانے پینے کے خرچ اور نوکر کی تنخواہ میں ساجھی ہیں۔"

"اور آدھی تنخواہ آپ امی جان کو بھیج دیتے ہیں؟"

"ہاں' مگر وہ ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے کچھ نہ کچھ لوٹاتی ہی رہتی ہیں۔ کبھی گرم پتلون سلوانے کے لیے کبھی نیا بوٹ خریدنے کے لئے۔"

نسرین نے محسوس کیا کہ اس کی ماں اسے بہت چاہتی ہو گی۔

"اپنی ہمشیرہ کی کیا عمر بتائی تھی آپ نے؟"

"دس برس' بڑی پیاری بچی ہے۔"

"سکول جاتی ہے؟"

"نہیں' گھر پر مولوی صاحب سے پڑھتی ہے۔ سینا پرونا اسے دادی سکھاتی ہے۔ اس نے ایک بکری پالی ہے۔ دودھ سے سفید' ایک بھی کالا بال نہیں۔ زہرہ اس کی بڑی دیکھ بھال کرتی ہے۔ کھیت سے بوٹی توڑ لاتی ہے' اپنے ہاتھ سے کھلاتی ہے۔ ہمارے گاؤں کے پاس ہی چھوٹی سی ندی بہتی ہے۔ وہ اسے وہاں پانی پلانے لے جاتی ہے۔ ایک دن کیا ہوا کہ وہ بکری پانی پی رہی تھی کہ ایک بڑا سا کتا آیا وہ جو زور سے بھونکا تو بکری ڈر کر ندی میں گر پڑی۔ پانی کا بہاؤ تیز تھا۔ وہ اس کے ساتھ بہہ چلی۔ اس پر زہرہ نے چیخ چیخ کر برا حال کر لیا۔ اتفاق سے ایک کسان ادھر سے گزرا' شور سن کر دوڑا ہوا آیا۔ بڑی مشکل سے بکری کو نکالا تب زہرہ کی جان میں جان آئی۔"

نسرین یہ سادہ سا بے رنگ واقعہ بڑی دلچسپی سے سنتی رہی۔

اب نوجوان پر کچھ کچھ غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ وہ گاؤ تکیہ کے سہارے لیٹ گیا۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ سو گیا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

نسرین اٹھی۔ الماری کے خانے سے سفید ململ کا دوپٹہ اور گوٹا اٹھالائی اور نوجوان کے قریب ہی فرش پر بیٹھ دوپٹہ میں گوٹا ٹانکنے لگی۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں اس کا جی اکتا گیا اور وہ بھی پلنگ پر جا کر لیٹ گئی۔

تیسرے پہر ایک رکشا منگوایا گیا اور وہ دونوں بازار جانے کی تیاری کرنے لگے۔ نوجوان نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اسے کوئی تحفہ خرید کر دینا چاہتا ہے۔ اس نے بغیر کسی شرم وحجاب کے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ نسرین بیس روپے تک کی جو چیز چاہے خرید سکتی ہے اس سے زیادہ کی اسے توفیق نہیں۔

''یہ سچ ہے'' اس نے کہا'' کہ اتنے کم داموں کی کوئی چیز تمہارے لائق نہیں ہوسکتی۔ مگر میرا جی چاہتا ہے کہ میری کوئی چیز خواہ وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو تمہارے پاس بطور یادگار رہے۔''

اور وہ اس کے ساتھ چلنے پر رضامند ہوگئی تھی۔ پھوپھی کو اجازت دینے میں تامل ہوا تھا مگر ایک تو نسرین خود جانے پر مصر تھی۔ دوسرے نوجوان کے چہرے سے ایسی معصومیت برس رہی تھی کہ کسی برے ارادے کا گمان تک نہ ہوتا تھا اور وہ خاموش رہ گئی۔

اور اب نسرین نیلے رنگ کا برقعہ اوڑھے نوجوان کے پہلو میں رکشا میں بیٹھی تھی۔ شہر کی کھلی سڑکوں پر ہزاروں عورتوں' مردوں کے بہتے ہوئے ہجوم میں یہ جوڑا بھی تھا۔ اسے دیکھ کر کسی کو یہ سوچنے تک کی پرواہ نہ تھی کہ ان کا رشتہ زن وشوہر کے سوا اور بھی کچھ ہوسکتا ہے۔

وہ رکشا سے اتر کر کئی بازاروں میں سے گزرے۔ کئی دکانوں میں گئے۔ جب وہ سڑک پر چلتی تو وہ اس کے آگے پیچھے راستہ صاف کرتا' اسے آنے جانے والی گاڑیوں موٹروں اور ہجوم کی دھکا پیل سے بچاتا یوں اپنی حفاظت میں لے جاتا گویا وہ کوئی بہت مقدس چیز ہے۔ جس کا دامن تک کسی سے چھوجانا اسے گوارا نہیں۔ جب وہ کسی دکان میں داخل ہوتے تو اس کی فرمائش کی چیزیں دکاندار سے منگوا منگوا کر ایسی تکریم سے پیش کرتا کہ دیکھنے والے یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکتے کہ یہ کوئی نیا جوڑا ہے اور یہ کہ شوہر بیوی سے کمال عشق رکھتا ہے۔

نسرین نے بڑی قیمت کی کوئی ایک چیز نہیں خریدی بلکہ روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدیں جن میں سے بعض کی واقعی اسے ضرورت تھی' مثلاً ایک تو چھلا خریدا۔ ایک ریشمی ازار بند کچھ چھوٹی بڑی سوئیاں' دو تین مختلف غازے اور بس۔ ان سب چیزوں پر بیس روپے سے کچھ کم ہی خرچ ہوئے۔ ہر ایک چیز خریدنے کے بعد وہ بڑی ادا کے ساتھ پوچھتی۔ ''باقی کیا بچا؟''

واپسی پر نوجوان اسے ایک ریستوران میں لے گیا اور ٹھنڈی اور گرم کئی قسم کی چیزیں منگوائیں اور نسرین کو اپنی مرضی کے خلاف

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

کئی چیزیں کھانی پڑیں۔ جس وقت وہ گھر پہنچے' اچھا خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ نسرین کی پھوپھی بڑے اضطراب سے اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ جب وہ صحیح سلامت گھر پہنچ گئے تو اس کی جان میں جان آئی۔

شمن سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ چنانچہ شام سے اوپر کی سیڑھیوں کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ نسرین نے پچھلی رات کی طرح پھر کمرے کی ہلکی نیلی روشنی میں کنگھی کرنی شروع کی۔ نوجوان پھر اس کے پاس ہی چاندنی پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر دونوں خاموش رہے پھر نوجوان نے کہا۔

''نسرین! میں نے تمہیں نجمی کی بہت سی باتیں بتائیں مگر ایک بات نہیں بتائی۔''

نوجوان نے یہ بات ایسے گمبھیر لہجے میں کہی تھی کہ نسرین بے ساختہ کہہ اٹھی۔ ''وہ کیا؟''

نوجوان کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا ''وہ یہ کہ وہ۔۔۔۔۔۔۔ باوفا نہیں تھی۔''

''کیا مطلب؟'' نسرین نے اور بھی متعجب ہو کر پوچھا۔

''مطلب یہ۔۔۔۔۔۔ کہ وہ کسی اور کو چاہتی تھی۔''

''جھوٹ ہے۔''

''نہیں' میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''اس کا کوئی ثبوت بھی تھا؟''

''مجھے ثبوت مل گیا تھا۔''

''وہ کیا؟''

نوجوان لمحہ بھر کے لئے خاموش رہا۔ پھر بولا ''اس کے خط' میں نے غلطی سے اس کے نام کا ایک خط کھول لیا تھا۔'' یہ کہتے کہتے نوجوان ایک دم سخت افسردہ ہو گیا اور اس نے گردن جھکا لی۔

''اور تم پھر بھی اسے چاہتے رہے؟''

''ہاں۔۔۔۔۔۔'' بھرائی ہوئی آواز میں نوجوان کے منہ سے نکلا۔ ''اس کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔''

کئی لمحے خاموشی رہی جسے توڑنے کی کسی میں خواہش پیدا نہ ہوئی۔

''کیا وہ جانتی تھی کہ تم اس کے راز سے واقف ہو؟'' بالآخر نسرین نے پوچھا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''نہیں' میں نے آخری دم تک اس پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس کی موت سے چند منٹ پہلے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سخت نزع میں ہے اور مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ مگر میں اس سے آنکھ نہ ملاتا تھا۔ البتہ دلداری اور تشفی کے کلمے برابر میرے منہ سے نکلتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے آخری ہچکی لی اور رخصت ہوگئی۔''

کچھ لمحے پھر خاموشی رہی جس کو خود نوجوان ہی نے توڑا۔''آخر اس پر یہ ظاہر کرنے کا فائدہ بھی کیا تھا۔''

اس رات پچھلی شب کی بہ نسبت جلد ہی روشنی گل کر دی گئی۔ نوجوان پھر جلد ہی سو گیا۔ مگر نسرین برابر ستاروں کو جھلملاتے دیکھتی رہی۔

پچھلے پہر اچانک نوجوان نے سوتے میں سسکی لی اور پھر تیز تیز سانس لینے شروع کر دیئے۔ نسرین نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا' کچھ دیر سوچتی رہی پھر جس طرح کوئی بچہ سوتے سوتے ڈر جائے تو ماں اسے چھاتی سے چمٹا لیتی ہے۔ نسرین نے بھی اسی طرح اس کا سر اپنے بازو میں لے کر اسے اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

بھنور

اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کے لیے صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے مذہبی ولولے کی تسکین کے لئے اس سے کہیں سوا چاہتے ہیں۔ ان کی تمنا ہوتی ہے کہ جس نور سے ان کا سینہ روشن ہے اس کی کرن دوسروں تک بھی پہنچے۔ وہ گمراہوں کی ہدایت کے لئے خطرناک جگہوں پر بھی جانے سے نہیں گھبراتے۔ انہیں جان کا خوف ہوتا ہے نہ جگ ہنسائی کا' بلکہ وہ اس کام کو فریضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

حاجی شفاعت احمد خان ایسے ہی دینداروں میں سے تھے' پچاس کے لگ بھگ سن' بھاری بھرکم جسم مگر خوب گٹھا ہوا معلوم ہوتا تھا کہ جوانی میں بھی کبھی کسرت سے شوق رہا ہوگا۔ سرخ وسفید رنگ' چوڑا چہرہ' کھچڑی داڑھی' مگر خوب بھری ہوئی۔ آنکھیں بڑی بڑی شربت رنگ کی جن میں ہر وقت سرخی جھلکتی رہتی۔ چہرے پر ایک جلالی کیفیت۔ لباس ان کا عموماً یہ ہوتا۔ خاکی رنگ کی شلوار' خاکی رنگ کی قمیص' چارخانے کپڑے کا کوٹ' پاؤں میں نری کا جوتا جو ہمیشہ گرد سے اٹا رہتا۔ سر پر سفید صافہ کلاہ پر بندھا ہوا۔ ہاتھ میں موٹے بید کی چھڑی۔ غرض لباس اور شکل وصورت سے وہ اچھے خاصے مرد مجاہد معلوم ہوتے تھے۔

حاجی صاحب صبح کو شہر کے ایک سرے سے جو گشت شروع کرتے تو شام ہوتے ہوتے پورے شہر کو جیسے کھنگال ڈالتے ان کے جاننے والوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ قدم قدم پر علیک سلیک ہوتی رہتی۔ کبھی پاؤ پاؤ گھنٹے سڑک کے کنارے ہی تلقین وہدایت کا سلسلہ جاری رہتا۔ کبھی کوئی جان پہچان والا کسی ضرورت سے ساتھ لے جاتا مگر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ پھر گشت میں مصروف دکھائی دینے لگتے۔

وہ اپنی دینداری اور بزرگی کی وجہ سے بڑے ہردلعزیز تھے یہاں تک کہ شہر کے حکام بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ کبھی محلے کا کوئی آوارہ مزاج لڑکا جوا کھیلنے یا کسی اور فعل شنیعہ کے الزام میں پکڑا جاتا تو اس کا باپ حاجی صاحب ہی کی پناہ لیتا۔

''حضور! اس نالائق کے ہاتھوں سخت عاجز آ گیا ہوں' میں نے تو کبھی کا عاق کر دیا ہوتا مگر اس کی بدنصیب ماں کچھ کرنے نہیں دیتی۔ جب سے سنا ہے کہ حوالات میں بند ہے سر پیٹ پیٹ کر برا حال کر لیا ہے۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اور حاجی صاحب کی سفارش پر تھانے دار معمولی سی تنبیہ کے بعد لڑکے کو رہا کر دیتا۔

ان کے رسوخ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کسی زمانے میں وہ خود بھی شہر کے اہلکاروں میں سے تھے۔ شروع ہی سے وہ نیک دل اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ہر مہینے تھوڑی تھوڑی رقم پس انداز کر کے ایک چھوٹا سا گھر بنا لیا تھا۔ جب انہیں نوکری کرتے بیس برس ہو گئے تو حج کا شوق ہوا۔ اس فریضہ سے فراغت پا کر ہنسی خوشی وطن لوٹے تھے کہ اچانک ایک المناک حادثہ ان پر گزرا۔ ان کا اکلوتا بیٹا جس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی ہیضے کا شکار ہو کر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر چل بسا اور پھر اس کے دو ہی دن بعد اس کی ماں بھی جسے بیٹے کی تیمارداری میں چھوت لگ گئی تھی۔ اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس واقعہ کا ان کے دل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے علائق دنیوی سے منہ پھیر لیا اور باقی عمر ہدایت اور تبلیغ کے لئے وقف کر دی۔

اسی زمانے میں ان کے سر میں یہ دھن سمائی کہ رنڈیوں کی اصلاح کی جائے۔ بھلا قحبہ خانوں سے بڑھ کر مصیبت کے اڈے اور کون سے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کا دستور تھا کہ ہر جمعرات کی شام وہ قرآن مجید سبز جزدان میں رکھ سینے سے لگا رنڈیوں کے بازار کا رخ کرتے اور انہیں گناہوں سے توبہ کرنے اور نیک راہ پر چلنے کی ہدایت کرتے۔ رفتہ رفتہ ان عورتوں کے گھروں میں ان کی آمد و رفت ایک معمول بن گئی۔ ان کی صورت دیکھتے ہی گانا بجانا بند کر دیا جاتا اور ان کے پند و نصائح کو خاموشی سے سنا جاتا۔ اس کے بعد گھر کی کوئی بڑی بوڑھی یا نائکہ ایسے لہجہ میں جو ہوتا تو نرم مگر طعن سے خالی نہ ہوتا' کہتی۔

''حضرت اپنے شوق سے تو ہم یہ گناہ کرتے نہیں۔ یہ دوزخ جو لگا ہے' اس کو بھی تو بھرنا ہے۔ آپ ہماری گزر بسر کا انتظام کر دیجئے۔ ہم آج ہی اس پیشے کو چھوڑے دیتے ہیں مگر انتظام معقول ہونا چاہیے۔ ماما گیری تو ہم کرنے سے رہے۔''

اور یوں انہیں وقتی طور پر ٹال دیا جاتا۔

مگر کبھی کبھی ان گھروں میں حاجی صاحب کی تحقیر بھی خوب ہوتی اور انہیں گناہ اور بے حیائی کے ایسے ایسے منظر دیکھنے پڑتے کہ شرم سے نظریں جھکا لینی پڑتیں۔ ایک دفعہ ایک کوٹھے پر کسی ضیافت کا اہتمام تھا۔ بدقسمتی سے حاجی صاحب وہاں پہنچ گئے۔ ان کو دیکھنا تھا کہ ایک قحبہ نے جس کے منہ سے شراب کے نشے میں رال ٹپک رہی تھی' لپک کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور ان کی لمبی داڑھی کے پے در پے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ پھر وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اے میرے مجازی خدا مجھے اپنے ساتھ لے چل۔ میں تیرے پاؤں دابوں گی' تیرے سر میں تیل ڈالوں گی۔ تیری داڑھی میں کنگھی کروں گی۔''

اور جتنی قحبائیں اور ان کے آشنا اس کوٹھے پر جمع تھے' یہ منظر دیکھ کر مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ایسے موقعوں پر وہ پیغمبروں اور ولیوں کے قصے یاد کرتے کہ کیسی کیسی ذلتیں اور ایذائیں انہیں راہ حق میں اٹھانی پڑیں اور اس طرح اپنے دل کو تقویت دے کر وہ پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ تبلیغ کا کام جاری رکھتے۔

رفتہ رفتہ وہ اس محلے میں خاصے بدنام ہو گئے۔ بعض دفعہ آوارہ لڑکوں اور اوباش لفنگوں کی ٹولی ان کے پیچھے ہو لیتی۔ یہ لوگ بالا خانوں میں بیٹھی ہوئی بیسواؤں کی طرف ہاتھوں سے طرح طرح کے اشارے کرتے فحش آوازے کستے اور حاجی صاحب کو اپنا لیڈر بنا کر مضحک نعرے لگاتے۔ ان ہی باتوں سے اکثر لوگ حاجی صاحب کو مجذوب یا سودائی سمجھنے لگے تھے۔ وہ اس کی توضیح بھی کرتے کہ اکلوتے جوان بیٹے کی موت سے ان کے دماغ میں خلل آ گیا ہے۔

ایک دن حاجی صاحب کے پاس ایک شخص خبر لایا کہ بازار میں دو نئی رنڈیاں آئی ہیں۔ ایک کا نام گل ہے اور دوسری کا بہار۔ دونوں بہنیں ہیں۔ ایک ناچتی ہے۔ دوسری گاتی ہے۔ دونوں اپنے اپنے فن میں ماہر ہیں۔ حسن بھی دونوں کا قیامت کا ہے۔ چند ہی روز میں سارے شہر میں ان کا چرچا ہو گیا ہے۔ لوگ پروانوں کی طرح گر رہے ہیں۔ سنا ہے بنک کا ایک ملازم ان کو رام کرنے کے لئے بہت سارا روپیہ اڑا لایا مگر پولیس موقع پر ان بیسواؤں کے گھر پہنچ گئی اور اس شخص کو نوٹوں کی گڈیوں سمیت پکڑ لیا گیا۔ ایک نوابزادے نے جو قلاش ہو گیا تھا' اپنی محرومی پر ان کے مکانوں کی سیڑھیوں میں پستول سے خودکشی کر لی۔ غرض وہ وہ ہنگامے ہوئے کہ ایک مدت سے سننے میں نہیں آئے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ دوسری زہرہ اور مشتری ہیں جن کے سحر حسن سے انسان تو کیا فرشتے بھی محفوظ نہیں۔

حاجی صاحب نے مصلحتاً کچھ دنوں سے اس بازار میں جانا چھوڑ رکھا تھا مگر اس نئے فتنہ کا حال سنا تو فوراً ان کے دل میں ایک نیا جوش پیدا ہوا۔ انہوں نے دل میں کہا کہ ان عورتوں کو جلد از جلد راہ راست پر لانا چاہیے ورنہ خدا معلوم یہ کتنے گھروں کو تباہ اور کتنے لوگوں کے ایمان کو غارت کر دیں گی۔

انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ قرآن شریف سینے سے لگایا اور پتہ پوچھتے پوچھتے گل اور بہار کے بالا خانے پر پہنچ گئے۔ وہ دونوں رات بھر جاگنے کے بعد صبح کو جو سوئی تھیں تو اب سہ پہر کے قریب جا کر بیدار ہوئی تھیں۔ اتفاق سے اس وقت ایک بوڑھی خادمہ کے سوا گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے سامنے سرخ سرخ آنکھوں والے ایک مجذوب پٹھان کو جو دیکھا تو ڈر کے مارے ان کی گھگھی بندھ گئی۔

حاجی صاحب چند لمحوں تک حیرت سے ان کے حسن و جمال کو دیکھتے رہے پھر وہ پر شفقت لہجہ میں ان سے مخاطب ہوئے۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''میری بیٹیو! مجھ سے ڈرو نہیں' میں کسی بری نیت سے نہیں آیا ہوں۔ میں تو تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہاری عیش و عشرت کی یہ زندگی ایک دھوکہ ہے اور یہ دھوکہ صرف اسی وقت تک قائم ہے' جب تک تمہارے گالوں میں خون کی چند بوندیں ہیں۔ ان کی تر و تازگی آخر کب تک رہے گی؟ پانچ سال' سات سال' حد سے حد دس سال۔ اس کے بعد تم ایک قابل نفرت چیز بن جاؤ گی۔ اپنے عشاق کی نظروں ہی میں نہیں' اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کی نظروں میں بھی۔ یہاں تک کہ تمہاری اولاد کو بھی تم سے گھن آئے گی۔ اس لیے کہ تمہارا وجود ان کے لیے انتہائی شرمندگی کا باعث ہوگا۔

میری بچیو! ذرا غور کرو۔ تمہاری زندگی کیسی ہنگاموں سے بھری ہوئی ہے۔ دن رات تمہارے چاہنے والوں کی دھینگا مشتی' قدم قدم پر جان کا خوف' ہر وقت پولیس کا دھڑکا' عدالت میں پیشیاں' یہ جینا بھی کوئی جینا ہے میری بیٹیو۔ تمہاری جگہ یہ بالا خانہ نہیں ہے۔ بلکہ کسی شریف گھر کی چار دیواری ہے جہاں تم ملکہ بن کر رہو جہاں تمہارا شوہر نگہبان اور محافظ ہو۔ تمہارے ناز اٹھائے اور تمہارے پسینے کی جگہ خون بہائے اور جہاں تمہاری اولاد کے لیے تمہارے قدموں کے نیچے جنت ہو۔''

یہ کہتے کہتے حاجی صاحب کی آواز رقت سے بھر آئی اور وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

دونوں بہنوں پر سے خوف و ہراس تو دور ہو گیا تھا مگر ان باتوں کو سن کر وہ گم سم رہ گئی تھیں۔ آخر بڑی بہن گل نے کہا۔ ''حضرت ہمارے ماں باپ نے ہمیں یہی پیشہ سکھایا ہے اس میں ہمارا کیا قصور؟''

حاجی صاحب نے اس دن ان سے کچھ اور کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے ایک کاغذ کے پرزے پر اپنے گھر کا پتہ لکھ کر ان کو دیا اور یہ کہہ کر چلے آئے کہ مجھے اپنا باپ سمجھو اور جب کبھی کوئی مشکل پڑے یا میری ضرورت ہو تو اس پتہ پر مجھے خبر کر دو۔

اس واقعہ کو آٹھ روز بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ ایک دن صبح ہی صبح ایک تانگہ ان کے مکان کے سامنے آ کر رکا۔ اس میں ایک عورت بیٹھی تھی جس نے سیاہ برقعہ اوڑھ رکھا تھا۔ تانگے میں دو ایک ٹرنک اور کچھ چھوٹی پٹیاں بھی تھیں۔ حاجی صاحب اس عورت کو اپنے مکان میں لے گئے اور اس کا سامان اندر پہنچا دیا گیا۔

یہ بہار تھی جو سچ مچ تائب ہو کر آ گئی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کئی دن سے وہ روتی رہی ہے اور اب بھی اس کے آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے۔

''جس دن سے آپ آئے تھے۔۔۔۔۔۔'' اس نے حاجی صاحب کو بتلایا۔ ''اسی دن سے ہم دونوں بہنوں میں جھگڑا شروع ہو گیا تھا کیونکہ اب میں پل بھر کے لئے بھی بازار میں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ آخر آج صبح میں اس سے علیحدہ ہو گئی ہوں۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اپنی اس کامیابی پر جو بازاری عورتوں کے اصلاحی کام کے سلسلے میں ان کی پہلی فتح تھی' حاجی صاحب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ شاید بیٹے کے جی اٹھنے پر بھی نہ ہوتی۔ انہوں نے فوراً کپڑے بدلے اور سودا سلف لینے بازار چلے گئے۔ ان کے پیچھے بہار نے جھاڑو لے کر سارے گھر کی صفائی کی۔ چولہا مدت سے راکھ سے بھرا تھا' اس کو صاف کیا۔ باورچی خانے کے فرش کو دھویا پونچھا اور اپنے سگھڑ پن سے ظاہر کر دیا کہ حسن و جمال' علم اور شستہ لب و لہجہ کے ساتھ ساتھ وہ امور خانہ داری سے بھی ناواقف نہیں۔

چند ہی دنوں میں بہار نے جس کا نام اب حاجی صاحب نے بدل کر بلقیس بیگم رکھ دیا تھا' اپنی خدمت گزاریوں سے ان کو یقین دلا دیا کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے آئی ہے اور اگر کوئی شریف قدر دان مل گیا تو ساری زندگی اس کے ساتھ نباہ دے گی۔ حاجی صاحب کو اس سے سچ مچ ایسی الفت ہو گئی جیسی باپ کو بیٹی سے ہوتی ہے۔ ادھر بلقیس بھی ان کا دل سے احترام کرتی اور ان کے سامنے شریف گھرانوں کی لڑکیوں کی طرح ہمیشہ اپنی نظریں نیچی رکھتی۔ اب حاجی صاحب کو بلقیس کے لیے کسی اچھے رشتے کی فکر ہوئی۔ کیونکہ وہ یہ خوب سمجھتے تھے کہ لڑکی کا اصلی گھر اس کے شوہر کا ہی ہوتا ہے۔

سرکاری ملازمت کے دوران میں حاجی صاحب کا ایک رفیق کار رحمت علی ہوا کرتا تھا۔ وہ حاجی صاحب کی بڑی عزت کرتا تھا۔ یہ بھی اس سے بھائیوں کی طرح پیش آتے تھے۔ وہ تو مدت ہوئی مر چکا تھا مگر اس کے لڑکے انور نے حال ہی میں انجینیر ی کا امتحان پاس کیا تھا اور اسے معقول سرکاری ملازمت مل گئی تھی۔ انور حاجی صاحب کو تایا ابا کہا کرتا اور اکثر ان سے ملنے آیا کرتا تھا۔ ابھی چند روز ہوئے کہ وہ اپنی اس کامیابی کی اطلاع دینے آیا تھا۔ ابھی تک اس نے شادی نہیں کی تھی۔ بلقیس کے رشتے کے سلسلے میں ان کا خیال فوراً اس کی طرف گیا۔ وہ اس کے دفتر پہنچے اور اس کو شام کے کھانے پر بلایا۔ ادھر گھر آ کر انہوں نے بلقیس سے کہا۔ ''بیٹی! آج شام ایک مہمان آ رہا ہے۔ وہ میرے ایک نہایت عزیز دوست کی نشانی ہے۔ تم یہ میلے کپڑے اتار کر کوئی اچھا سا لباس پہن لینا وہ میرے بیٹوں کی طرح ہے اس سے پردہ نہیں کرنا ہو گا۔''

شام کو انور کھانے پر آیا تو بلقیس کے حسن اس کی شائستگی اور حیا کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ حاجی صاحب نے اس کو بلقیس کی پتا سنائی اور اس سے کوئی بات چھپا نہ رکھی۔ دوسرے دن وہ پھر آیا۔ پھر تیسرے دن۔ پھر دن میں دو دو مرتبہ آنے لگا اور آخر مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ان دونوں کی شادی ہو گئی۔

انور اور بلقیس کی خوب گزر ہونے لگی۔ وہ دونوں اکثر حاجی صاحب سے ملنے آیا کرتے۔ انور اپنی بیوی کو فریفتگی کی حد تک چاہتا تھا۔ ادھر بلقیس بھی دل و جان سے اس پر فدا تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ حاجی صاحب سے بھی ایسی الفت کرنے لگی تھی گویا وہ سچ مچ اس

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

کے باپ ہیں اور پھر یہی تو تھے جن کی طفیل وہ گمراہی کے گڑھے سے نکلی تھی۔

جب ایک سال گزر گیا تو انور کی تبدیلی کسی اور شہر ہو گئی۔ حاجی صاحب ان میاں بیوی کو اسٹیشن پر رخصت کرنے آئے تو جدائی کے خیال سے روتے روتے بلقیس کی ہچکی بندھ گئی۔ حاجی صاحب نے بڑی تسلیاں دے کر اسے رخصت کیا۔

وہ باقاعدگی سے حاجی صاحب کو خط لکھتی جس میں اس کی اور انور کی خیریت اور گھر کے حالات تفصیل سے لکھے ہوتے۔ اس کے ان خطوں میں ایک بلبل کی سی چہچہاہٹ تھی۔ ان خطوں کا سلسلہ کوئی دو برس تک جاری رہا۔ اس کے بعد جو خطوط آئے ان کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ حاجی صاحب نے اس تبدیلی کو بلقیس کی بڑھتی ہوئی عمر کے تقاضے پر محمول کیا۔ آخر تیسرے سال ایک خط آیا جسے پڑھ کر وہ بھونچکا رہ گئے۔ لکھا تھا:

''ابا جان! تسلیم! مجھے افسوس ہے کہ یہ خط پڑھ کر آپ کو صدمہ پہنچے گا۔ میں نے عرصے تک اس معاملے کو آپ سے چھپائے رکھا تاکہ آپ کو دکھ نہ ہو لیکن اب بات اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اس کا چھپانا ممکن نہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ اس میں میرے شوہر انور کا کچھ قصور نہیں۔ اس کی تمام ذمہ داری اس کے رشتہ داروں پر ہے جو ہر روز آ آ کر ان کے کان بھرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح میری پچھلی زندگی کا حال معلوم ہو گیا ہے اور وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں اور برملا طعنے دیتے ہیں۔ چونکہ بدقسمتی سے اس عرصے میں میرے کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی جو شاید انور کو مجھ سے قریب تر کر دیتی۔ اس لئے یہ لوگ اب اس کوشش میں ہیں کہ انور میاں سے مجھے طلاق دلوا دیں۔ میں نے اس لڑکی کو بھی دیکھا ہے جس کو وہ ان کے پلے باندھنا چاہتے ہیں۔ اچھی شریف لڑکی ہے بے چاری، صورت شکل کی بھی بری نہیں۔ اب میری آپ سے التجا ہے کہ اس سے پہلے کہ یہ لوگ مجھے دھکے دے کر نکال دیں آپ خود آئیں اور مجھے طلاق دلوا کر لے جائیں۔''

آپ کی پیاری بیٹی۔۔۔۔۔بلقیس

اس خط کی عبارت نے حاجی صاحب کو سخت بے چین کر دیا۔ وہ رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتے رہتے۔ صبح ہوئی تو وہ اسٹیشن پہنچے اور پہلی گاڑی سے اس شہر کو روانہ ہو گئے جہاں انور ملازم تھا۔ رات بھر وہ غم اور غصے سے کھولتے رہے ان کا جی چاہتا کہ وہ جاتے ہی انور کا منہ نوچ لیں۔ راستے بھر وہ آیات قرآنی پڑھ پڑھ کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرتے رہے۔

مصالحت کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ جب دلوں میں فرق پڑ جائے تو زندگی کا لطف جاتا رہتا ہے۔ اب ان کی کوشش یہ تھی کہ وہ انور سے حق مہر حاصل کریں اور وہ تمام زیورات اور کپڑے بھی جو انور نے اب تک بلقیس کو بنوا کر دیئے تھے۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

انور اور اس کے رشتہ داروں نے زیادہ مزاحمت نہ کی انور کو توقع نہ تھی کہ اس قدر جلد بلقیس سے اس کا پیچھا چھوٹ جائے گا اور اسے کس قدر رنج بھی ہوا کیونکہ ابھی تک اس کے دل میں بلقیس کی کچھ کچھ محبت باقی تھی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ حاجی صاحب بلقیس کو ساتھ لے دو تانگوں میں اسباب لدوا اسی رات اسٹیشن پہنچے اور دوسرے دن گھر آ گئے۔

بلقیس اب پھر حاجی صاحب کے پاس رہنے لگی۔ حاجی صاحب کو اب پھر اس کے رشتے کی فکر ہوئی اور ابھی تین مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ انہوں نے اس کے لئے ایک اور شوہر تلاش کر لیا۔ اب کے جو آدمی چنا گیا وہ انور کی طرح نہ تو کم عمر تھا نہ زیادہ تعلیم یافتہ اور نہ اس کا تعلق کسی اونچے گھرانے سے تھا۔ وہ میوے کا کاروبار کرتا تھا۔ آئے دن دساور سے میوے کی بھری ہوئی لاریاں اس کے یہاں آتی رہتی تھیں۔ شہر کے میوہ فروشوں میں اس کی بڑی ساکھ تھی۔

یہ میوہ فروش جس کا نام ربانی تھا' رنڈوا تھا اور کسی نیک بیوہ سے عقد کرنا چاہتا تھا۔ حاجی صاحب نے حق مہر کے طور پر پانچ ہزار روپیہ نقد اور ایک مکان بلقیس کے نام لکھوانے کی شرط پیش کی۔ جسے اس نے بلا حیل وحجت منظور کر لیا تھا۔ دراصل یہ میوہ فروش بہار کے پرانے مگر ناکام عشاق میں سے تھا جب بہار بازار سے غائب ہوئی تھی تو وہ سخت پریشان ہوا تھا۔ پھر کچھ دن بعد جب اس نے سنا کہ حاجی صاحب نے اسے کسی انجینئر سے بیاہ دیا ہے تو وہ ایک سرد آہ بھر کے رہ گیا تھا۔ اب جو اسے اس طلاق کا حال معلوم ہوا تو اس کے دل میں پھر بہار کی آرزو تازہ ہو گئی اور اس نے جلد ہی منت خوشامد سے حاجی صاحب کو اس رشتے پر آمادہ کر لیا۔ مگر حاجی صاحب نے جب تک پورا حق مہر وصول نہ کر لیا میوہ فروش کو بلقیس کی شکل نہ دیکھنے دی۔

بلقیس نے ایک اطاعت مند بیٹی کی طرح حاجی صاحب کے تجویز کئے ہوئے رشتے کو صبر شکر سے قبول کر لیا اور دونوں کی خاصی گزر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ ایک سال ہنسی خوشی میں گزر گیا مگر یہ میوہ فروش قطعاً عیاش واقع ہوا تھا۔ شادی کے بعد کچھ عرصہ تو وہ اس سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آتا رہا مگر جلد ہی اس کے رویے میں تبدیلی آ گئی اور وہ اس سے ایسا سلوک کرنے لگا گویا وہ اس کی داشتہ ہو۔ وہ مصر تھا کہ بلقیس رات رات بھر اس کے ساتھ جاگے اور شراب نوشی میں شریک ہو۔ پھر وہ اس کا بھی متمنی تھا کہ آئے دن دوستوں کی دعوتیں ہوں اور بلقیس ساقی گری کی خدمت انجام دے اور وہ دوستوں سے فخر یہ یہ کہہ سکے۔ ''یہی تھا وہ لعل بے بہا جس کی ایک جھلک دیکھنے کو دنیا ترستی تھی اور اب میں تنہا اس کی قسمت کا مالک ہوں۔''

مگر بلقیس نے اس کی ان خواہشوں کو سختی کے ساتھ رد کر دیا تھا۔ وہ اس کے دوستوں کی ضیافتوں میں اور ان کی مے خواری سے تو تعرض نہ کرتی مگر خود کبھی ان کے سامنے نہ آتی۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

رفتہ رفتہ میوہ فروش کا دل گھر سے اچاٹ رہنے لگا اور یہ محفلیں اب اوروں کے یہاں منعقد ہونے لگیں۔ میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ رہنے لگے۔ کئی مرتبہ گالی گلوچ تک نوبت پہنچ گئی آخر ایک دن میوہ فروش نے شراب کے نشے میں بلقیس کو اس قدر مارا پیٹا کہ وہ کئی دن تک بستر سے نہ اٹھ سکی۔

حاجی صاحب کو میاں بیوی کی ناچاقی کا علم تھا۔ مگر جب انہیں اس مار پیٹ کی خبر ہوئی تو ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ وہ اسی وقت میوہ فروش کے گھر پہنچے اور بلقیس کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ میوہ فروش نے معافی مانگی' منت سماجت کی۔ مگر حاجی صاحب پر کچھ اثر نہ ہوا۔ انہوں نے کہا۔ ''اگر تم نے فوراً طلاق نہ دی تو میں تمہارے خلاف چارہ جوئی کروں گا۔''

میوہ فروش حاجی صاحب کے اثر و رسوخ کو بخوبی جانتا تھا۔ مقدمہ بازی سے خائف ہو کر ناچار طلاق دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اب کے بلقیس سال بھر تک حاجی صاحب کے گھر پر رہی۔ جب کبھی حاجی صاحب اس کے رشتے کا سوال اٹھاتے تو وہ تنک کر کہتی۔ ''ابا جان! آپ کو میری فکر کیوں رہتی ہے' میں آپ پر بھاری ہوں کیا؟''

مگر ایک دور اندیش باپ کی طرح حاجی صاحب نہیں چاہتے تھے کہ بلقیس زیادہ عرصے گھر میں بیٹھی رہے۔ علاوہ ازیں اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنے اصلاحی کام میں ناکام رہے۔ ان کا منصوبہ ناقابل عمل ثابت ہوا۔ مگر ایک مرتبہ فتح حاصل کر کے اب وہ کسی طرح اس شکست کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہیں پھر اس کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی اور بلقیس کچھ تو حاجی صاحب کے اصرار سے اور کچھ اپنے مستقبل کے خیال سے تیسری مرتبہ پھر شادی پر رضامند ہو گئی۔

اب کے حاجی صاحب نے شوہر کے انتخاب میں انتہائی حزم و احتیاط سے کام لیا اور مہینوں اس کے مزاج اور چال چلن کے بارے میں تفتیش کرتے رہے۔

یہ ایک نوعمر شخص تھا جو کسی دفتر میں معمولی کلرک تھا۔ حد درجہ کم سخن' بھولا بھالا' ناک نقشہ بھی اچھا تھا۔ البتہ ہاتھ پاؤں کا ذرا دبلا تھا۔ سارا دفتر اس کی سادگی' مزاج اور اطاعت گزاری کا معترف تھا۔ ایسے داماد کو پا کر حاجی صاحب پورے طور پر مطمئن ہو گئے ادھر بلقیس نے بھی خوشی خوشی اسے قبول کر لیا۔ البتہ اس بات کی ذرا خلش تھی کہ وہ عمر میں اس سے پانچ سال بڑی تھی۔

اس دفعہ حاجی صاحب نے اونچے خاندان اور روپے پیسے کا لالچ نہیں کیا تھا۔ بلکہ مصلحتاً غریب شوہر چنا تھا اور پھر روپے کی ضرورت بھی کیا تھی کیونکہ پچھلے مہروں کی رقمیں' گھر کا سامان' زیور کپڑا اتنا پہلے ہی وافر تھا۔ اس کلرک کا نام منیر تھا۔ اس کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ کم عمری ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ کچھ دور کے رشتہ دار تھے' مگر وہ اس کے خرچ کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہ

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

تھے اور اس نے یتیم خانے میں پرورش پائی تھی۔

بلقیس اور منیر خوش حالی اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ محبت کے بندھنوں نے ایک دوسرے کو جکڑ لیا۔ بلقیس کو ایسا محسوس ہوا کہ جو خوشی انور سے علیحدگی کے بعد چھن گئی تھی وہ اسے پھر مل گئی ہے۔ ادھر منیر بھی آٹھوں پہر اسی کا دم بھرتا تھا۔ وہ ایسا صالح نوجوان تھا کہ کسی قسم کا نشہ یا بری لت اس کو نہ تھی۔ دفتر سے چھٹی ملتے ہی سیدھا گھر کا رخ کرتا اور پھر بیوی کی قربت میں ایسا کھو جاتا کہ دوسرے دن دفتر کے وقت ہی گھر سے نکلتا۔

دن پر دن گزرتے گئے' ہفتے' مہینے اور پھر سال۔ دونوں کی محبت بڑھتی ہی چلی گئی۔ اب حاجی صاحب بھی بہت ضعیف ہو گئے۔ تبلیغ اور ہدایت کا وہ پہلا سا جوش و خروش ان میں نہیں رہا تھا۔ گھر سے کم ہی باہر نکلتے۔ مگر ان کو اطمینان تھا کہ بال آخر ان کی محنت ٹھکانے لگ گئی۔

اسی طرح پانچ سال گزر گئے۔ اس دوران میں منیر کو نوکری کے سلسلے میں کئی جگہ تبدیل ہو کر جانا پڑا۔ مگر وہ جہاں کہیں بھی جاتے بلقیس حاجی صاحب کو اپنی خیر و عافیت کی اطلاع دیتی رہتی۔

ایک دن حاجی صاحب کو ایک خط ملا جسے پڑھ کر اچانک ایک مرتبہ پھر دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ بات یہ تھی کہ منیر کی صحت پچھلے سال سے دھیرے دھیرے گرنی شروع ہو گئی تھی۔ منیر کا ہر وقت گھر میں پڑے رہنا' کھیل تفریح میں حصہ نہ لینا' اس کی تندرستی کے لئے ضرر رساں ثابت ہوا اسے ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا تھا اور کبھی کبھی کھانسی بھی اٹھنے لگی تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ یہ ابتدائی دق کے آثار ہیں اور انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ دفتر سے طویل رخصت لے لی جائے اور اسے کسی صحت افزا پہاڑی مقام پر رکھا جائے۔ خط کی آخری سطور یہ تھیں:

لیکن میرے پیارے ابا جان! آپ اس خبر سے زیادہ پریشان نہ ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ منیر میاں سال بھر باقاعدہ علاج کرانے سے تندرست ہو جائیں گے۔ میں خود ان کی تیمارداری کروں گی اور جس صحت افزا مقام پر وہ رہیں گے میں ان کے ساتھ رہوں گی۔ شفا تو اللہ نے چاہا تو انہیں ضرور ہو جائے گی مگر اس میں تین چار سو روپیہ ماہوار اٹھے گا۔ سو اس کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ جو میرے نام کا مکان ہے اسے فروخت کر دیں۔ آخر جائیداد اسی قسم کی ضرورتوں ہی کے لئے تو ہوتی ہے' جان ہے تو جہان ہے۔ امید ہے آپ ان تمام باتوں کا جواب مفصل لکھیں گے یا خود تشریف لائیں گے۔

آپ کے دیدار کی طالب۔۔۔۔۔بلقیس

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اس خط کو پڑھ کر حاجی صاحب گم سم رہ گئے۔ اچانک دل میں ایسا ضعف محسوس ہوا' گویا ان کا آخری وقت آن پہنچا ہو۔ دو دن تک وہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ تیسرے دن جب ذرا طبیعت سنبھلی تو وہ لاٹھی ٹیکتے ہوئے اٹھے اور جائیداد کی فروخت کے سلسلے میں کسی دلال کی تلاش میں نکلے۔ قدم گھر سے باہر رکھا ہی تھا کہ ایک تانگا ان کے دروازے کے سامنے آ کر رکا۔ اس میں ایک برقعہ پوش خاتون بیٹھی تھی۔ ساتھ کچھ سامان تھا۔ دو ٹین ٹرنک' ایک اٹیچی کیس۔

حاجی صاحب ٹھہر گئے۔ ان کی صورت دیکھ کر اس خاتون نے چہرے سے نقاب اٹھا دی۔ اس کا سن تیس پینتیس برس سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ مگر اس کے حسن میں ابھی تک غضب کی شادابی تھی۔

''میں بہار کی بہن گل ہوں۔'' اس نے بڑی لجاجت سے کہنا شروع کیا۔ ''دس سال ہوئے جیسے حضور نے میری بہن کو دین اور آخرت کی راہ دکھائی تھی ویسے ہی مجھ پر بھی کرم کی نظر ہو جائے۔''

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

بلمبے والا

یہ علاقہ سرکاری فائلوں میں تو محض ''گورنمنٹ کوارٹرز ۳۵۵/سی، کہلاتا تھا مگر یہاں کے ساکنوں نے بڑی جدوجہد کے بعد ایک ضمنی نام بھی سرکار سے منظور کرالیا تھا اور وہ تھا ''گلستاں کالونی'' یہ لوگ خود تو اپنے خطوں کی پیشانی پر خوش خطی سے ''گلستاں کالونی'' لکھتے ہی تھے، رشتہ داروں اور دوستوں کو تاکید تھی کہ وہ بھی خط لکھتے وقت یہی پتہ تحریر کریں' پھر بھی کبھی کبھی کوئی تانگہ والا شرارت یا انجان پن سے اس علاقے کو ''بابو کالونی'' کے نام سے پکار بیٹھتا تو اس کی جہالت پر یہ لوگ جھنجلا کر ہی رہ جاتے۔

''گلستاں کالونی'' میں صرف ان ہی سرکاری ملازموں کو کوارٹر دیئے جاتے تھے جن کی تنخواہ ڈھائی سو سے ساڑھے چار سو تک ہوتی۔ اس گریڈ میں عموماً دفتروں کے سپرنٹنڈنٹ اسسٹنٹ انچارج' اکاؤنٹنٹ' آڈیٹر' سینئر اسٹینو گرافر' اوورسیر اور اسی قبیل کے دوسرے ملازمین آتے تھے۔ تھے تو یہ بھی کلرک ہی مگر ذرا نفیس قسم کے' جیسے کلرکی کو دو آتشہ' سہ آتشہ کر دیا گیا ہو۔ ان کی حالت عام کلرکوں سے کہیں بہتر تھی اور وہ اپنی نسبتاً آسودہ حالی اور اپنے منصب کے باعث اپنے ہم چشموں میں خاصی عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

اس علاقے کا نقشہ کچھ اس قسم کا تھا کہ کوئی نصف میل کے پھیلاؤ میں چار پانچ سڑکیں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر شرقاً غرباً ایک دوسرے کے متوازی چلتی تھیں اور چار پانچ سڑکیں تھوڑے فاصلہ پر شمالاً غرباً چل کر انہیں کاٹتی تھیں' سب کوارٹر یک منزلہ اور ایک ہی وضع کے تھے' چھوٹے نہ بڑے۔۔۔۔۔۔۔ آگے ننھا سا باغیچہ' اس کے بعد دو تین سیڑھیاں' پھر برآمدہ' برآمدے کے ساتھ ملے ہوئے دو کمرے' پیچھے آنگن' باورچی خانہ' توشہ خانہ وغیرہ۔ یہ کوارٹر ایک دوسرے کے عین سامنے تھے' بیچ میں صرف بیس فٹ کی سڑک تھی۔ چنانچہ اگر گھر کی مالکہ اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے حجاب کی زیادہ قائل نہ ہوتی یا اپنے پھوہڑ پن کی وجہ سے ذرا غفلت نہ برتتی تو اس کے سامنے والی بی ہمسائی بڑے مزے سے اس کے ہر قسم کے اعمال و افعال کا مشاہدہ کر سکتی تھی۔

گلستاں کالونی کسی ایک فرقے کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ اس میں ہندو مسلمان' سکھ' عیسائی' سب ہی رہتے تھے' پھر زبانیں بھی یہاں بھانت بھانت کی بولی جاتی تھیں جن میں اردو' انگریزی' بنگالی' مدراسی اور پنجابی کو زیادہ دخل تھا البتہ ایک بات اس کالونی کے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

سب رہنے والوں میں مشترک تھی اور وہ تھی آرٹ فنون لطیفہ کی سرپرستی۔ ریڈیوں سے تو کوئی گھر خالی ہی نہ تھا' چنانچہ دن کے بارہ بجے جب فرمائشی پروگرام چل رہا ہوتا' ایسے میں اگر کوئی یہاں آتا تو وہ ایک پورا فلمی گانا بغیر تسلسل ٹوٹے پھر کر سن سکتا ہے۔ اس کالونی کے باشندے متمدن سمجھے جانے کے بہت متمنی تھے۔ تنگی ترشی میں گزر کرتے' مگر ظاہری ٹھاٹھ میں فرق نہ آنے دیتے۔ ہر گھر میں صبح کو پابندی کے ساتھ ڈبل روٹی' مکھن اور اخبار آتا۔ اخبار کا صاحب خانہ بے چینی سے منتظر رہتا۔ جب باری باری اور سب لوگ دیکھ چکتے تو آخر میں گھر کے بڑے بوڑھے کوارٹر کے باہر کرسی یا مونڈھا ڈال بیٹھ جاتے اور اخبار کو عینک کے قریب لا لا کر گھنٹوں اس کے مطالعے میں غرق رہتے۔

یوں تو اس کالونی میں مصوری اور بت تراشی کا بھی خاصا چرچا تھا' مگر لوگ سب سے زیادہ گانے بجانے کے رسیا تھے۔ ریڈیو پر موسیقی کے پروگرام تو ذوق شوق سے سنے ہی جاتے تھے۔ کبھی کبھی ان کوارٹروں میں میوزک پارٹیاں بھی منعقد ہوتیں جن میں شہر کے مشہور گانے والوں کو بلوایا جاتا۔ اس طرح ایک تو موسیقی کی سرپرستی ہوتی' دوسرے مقامی جوہر کو ان کا کمال فن دیکھنے اور سیکھنے کا موقع ملتا۔ کئی گھروں میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے میوزک ماسٹر رکھے گئے تھے صبح کو جیسے ہی مرد ناشتہ سے فارغ ہو کر دفتروں کی راہ لیتے' ان کے گھروں سے گھنگھروں کی جھنک کے ساتھ ساتھ بوڑھے کتھک کی گمبھیر آواز "تا تھئی تھئی۔ تا تھئی تھئی" سنائی دینے لگتی۔

اس علاقے کی چہل پہل خاص طور پر شام کو دیکھنے کے قابل ہوتی جب مرد دفتروں سے آچکے ہوتے اور برآمدے میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے یا کسی مہمان کی تواضع میں مصروف نظر آتے جس کی پرانی' عموماً کالے رنگ کی' چھوٹی موٹر گھر کے دروازے کے عین سامنے کھڑی ہوتی یا جب یہاں کی نوخیز لڑکیاں اور جوان عورتیں نئے نئے سنگار کئے نئی نئی تراش کے لباس پہنے اس نواح کی سڑکوں پر جھرمٹوں کی صورت مصروف خرام ہوتیں۔ ایسے میں اگر کوئی ناواقف آدمی ادھر آنکلتا تو وہ ان لڑکیوں کو تکتا کا تکتا ہی رہ جاتا۔

گلستاں کالونی کی ان سرگرمیوں کو عام طور پر استحسان کی نظروں سے دیکھا جاتا اور خود وہاں کے باشندے بھی اپنی روشن خیالی اور آزادروی پر مسرور معلوم ہوتے تھے' البتہ اس علاقے کا ایک طبقہ ایسا تھا جس کو کالونی والوں کی ان تمدنی ترقیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ چپکے چپکے ان باتوں پر سخت تنقید کرتا تھا' یہ اس علاقے کے وہ بڑے بوڑھے تھے جو نوکری اور ہر قسم کے کام کاج سے سبکدوش ہو کر اپنا آخر وقت اپنے بیٹوں کی کمائی کے سہارے گزار رہے تھے۔ گھر کے معاملات میں ان کا کوئی دخل نہیں رہا تھا۔ اگر وہ کوئی بات معاشرے کی اس نئی روش کی برائی میں کہتے تو گھر کے سب چھوٹے بڑے اسے دقیانوسی کہہ کر مذاق اڑا دیتے اور ان کے لئے اس کے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

سوا چارہ نہ رہتا کہ جب تک گھر پر رہیں' اپنی آنکھیں اور کان بند رکھیں اور کھانے پینے یا اخبار پڑھنے کے علاوہ کسی کام سے سروکار نہ رکھیں۔

گھر پر تو ان بڈھوں کا بس نہ چلتا' البتہ ہر روز تیسرے پہر وہ کالونی کے ایک چوک میں بڑی شان سے اپنی منڈلی جمایا کرتے' گرمیوں میں اس جگہ چھڑکاؤ کر کے آٹھ دس مونڈھے بچھا دیے جاتے جن پر یہ بوڑھے بیٹھ کر دو تین گھنٹے تک خوب خوب دل کی بھڑاس نکالتے۔ زمانے کی نئی روشنی کے خلاف عورتوں کی بڑھتی ہوئی آزادی کے خلاف اپنے بیٹوں کی بے راہ روی کے خلاف' بے پردگی کے خلاف' فنون لطیفہ کی آڑ میں جن بے حیائیوں کو روا رکھا جاتا ہے ان کے خلاف' زن و مرد کے بے محابا اختلاط کے خلاف' ناچ گانے اور خصوصاً فلمی گانوں کے خلاف۔ لطف یہ کہ جب اس طرح وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے گھر پہنچتے تو ان میں سے کسی کی پیاری پوتی جس کی عمر سات سال ہوتی اپنے ماں باپ اور ان کے احباب کی پر شفقت اور پر تحسین نظروں کے سامنے کولہے مٹکا مٹکا کر گا رہی ہوتی ''ناچو ناچو پیارے من کے مور'' اور یہ بڑے میاں چپکے سے اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیتے۔

گلستاں کالونی کی چہل پہل میں اضافہ کرنے میں ایک اور ہستی کا بھی بڑا دخل تھا اور یہ تھا بابے والا بیس بائیس برس کا ایک نوجوان' گندمی رنگ' ناک نقشہ برا نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ کس صوبے کا رہنے والا ہے۔ وہ خود کو بمبئی کا باشندہ بتلاتا تھا مگر اس کے شین قاف کی درستی کہے دیتی تھی کہ اس کا تعلق ملک کے جنوبی حصے سے نہیں بلکہ شمالی حصے سے ہے۔ اپنے وضع قطع اور لباس سے وہ سرکس کا مسخروں سے ملتا جلتا تھا۔ کبھی سیاہ ٹیل کوٹ اور سیاہ ٹاپ ہیٹ' کبھی شب خوابی کا رنگ دار دھاریوں والا پاجامہ اور سر پر تنکوں کی بنی ہوئی انگریزی ٹوپی' کبھی بنگالی فلم ایکٹروں کی تتبع میں کھدر کا لمبا کرتہ اور لہراتی ہوئی دھوتی کبھی شکاریوں کی طرح برجس ڈالے ہوئے۔ کبھی ٹاپ ہیٹ کی جگہ سرخ ترکی ٹوپی لے لیتی۔ چہرے پر ایکٹروں کی طرح گاڑھا گاڑھا میک اپ کیا ہوا۔ آنکھوں میں کاجل' ہونٹوں پر لپ اسٹک' اس کے ساتھ باریک باریک مونچھیں' وہ جو لباس بھی پہنتا ایسا بے ہنگم ہوتا کہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آ جاتی۔ اس نے اپنی سائیکل کا حلیہ بھی بگاڑ رکھا تھا اور اس کے ہینڈل اور مڈ گارڈوں پر رنگ دار کاغذ کی بنی ہوئی جھنجھیریاں لگا رکھی تھیں جو ہوا سے آپ ہی آپ گھومتی رہتیں۔ گلے میں ایک چھوٹا سا بکس ڈال رکھا تھا جس میں طرح طرح کی ٹافیاں' چوسنے والی گولیاں' رنگترے کی پھانکیں اور میٹھی سونف کی پڑیاں ہوتیں۔ علاوہ ازیں وہ فلمی ایکٹروں کے فوٹو اور فلمی گانوں کی کتابیں بھی بیچا کرتا تھا ایک ہاتھ ہینڈل پر' دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا سا کالے رنگ کا بھونپو۔ اس کو منہ سے لگا کر جس وقت وہ ''بابے والا' بابے والا'' کی آواز لگاتا تو گھروں میں ہلچل سی مچ جاتی۔ بچے پیسوں کے لئے مچلنا شروع کر دیتے اور وہ تیر کی طرح بابے والا کے پاس پہنچ جاتے۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''بامبے والا'' کے الفاظ لہک لہک کر ادا کرتا وہ ایک نغمے کی طرح معلوم ہوتے جس میں کئی اترے ہوئے سر لگتے۔ اس کا یہ گانا اس کی آمد کا اعلان ہوتا۔

دل کا نیک تھا۔ بچوں کو ان کے دام سے کچھ زیادہ ہی مٹھایاں دے دیا کرتا۔ کبھی کسی بچے کے پاس پیسہ نہ ہوتا تو مفت ہی ایک آدھ چوسنے والی گولی دے دیتا۔ وہ ''بامبے والا'' کی الاپ کے علاوہ اور بھی بہت سے گانے گایا کرتا۔ یہ فلموں کے چلتر گانے ہوتے جن میں پریم اور پریمی' بھونرے اور پپیے کا ذکر ایسے پرسوز طریقے پر ہوتا کہ انہیں سن کر بلوغت کو پہنچنے والی لڑکیوں کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی اور وہ اپنے چھوٹے بھائیوں یا بہنوں کو آنہ یا ٹکا دے کر میٹھی سونف منگوایا کرتیں۔

اس کی آواز ایسی مدھر تھی کہ جب وہ کوئی فلمی گانا گاتا تو لوگ اس کے مسخرے پن کو بھول کر گانے پر جھوم اٹھتے۔ اس کی یہ آواز اس کے کاروبار کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ عورتوں کو گھورنا یا ان پر آوازے کسنا اس کی عادت نہ تھی یہ اور بات ہے کہ آواز گانے کے پردے میں بہت کچھ کہہ جاتی۔

وہ اس کالونی میں ہفتے میں ایک آدھ بار آیا کرتا' یہی وجہ ہے کہ اس کے آتے ہی بچے بڑے جوش و خروش سے اس کے خیر مقدم کے لئے دوڑتے' بچے جس قدر اس سے خوش تھے ان کے ماں باپ اتنا ہی اس سے بیزار' کیونکہ اس کے آنے پر انہیں بچوں کی ضد پوری کرنی پڑتی تھی خواہ جیب میں پیسہ ہو یا نہ ہو اور ان بڑے بوڑھوں کی ناراضگی کا تو پوچھنا ہی کیا۔ انہیں اس کے مسخروں کے سے لباس اور عاشقانہ گیتوں سے سخت چڑ تھی' کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ان گانوں سے شرفا کی بہو بیٹیوں کا اخلاق بگڑتا تھا۔ اگر ان بڈھوں کا بس چلتا تو وہ اسے پولیس کے حوالے کر کے حوالات میں بند کرا دیتے مگر جب تک اس سے کوئی مجرمانہ حرکت سرزد نہ ہو ایسا ممکن نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان بڑے بوڑھوں کو گھر کی طرح اس معاملے میں بھی صبر ہی سے کام لینا پڑتا تھا۔

آخر ایک دن ایسا آیا جب ان کے صبر کا پیمانہ سچ مچ لبریز ہو گیا' اور ادھر وہ لوگ جو عورتوں کی آزادی کے بڑے حامی تھے سوچ میں پڑ گئے کہ کہیں ہمیں تو غلطی پر نہیں ہیں۔

ہوا یہ کہ اس کالونی میں ایک بنگالی رہتا تھا۔ بڑا خوش خلق اور شریف طبع۔ کالونی میں اس کا بڑا مان تھا۔ وہ کسی دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ میرا اور سیتا۔ میرا کی عمر تیرہ برس اور سیتا کی عمر چودہ۔ وہ کاٹھیاواڑ کے ایک کتھک سے ناچ سیکھا کرتی تھیں۔ اس کتھک کی عمر کوئی تیس بتیس سال کی تھی۔ حد درجہ کا چرب زباں۔ اس جواں عمری ہی میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکا تھا۔ ایک دن دوپہر کو وہ کسی تماشے کے پاس لے کر آیا اور لڑکیوں کو تماشہ دیکھنے پر اکسایا۔ بنگالی بابو دفتر میں تھا۔ لڑکیوں نے ماں سے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اصرار کر کے اجازت لے لی۔ اس کے بعد دونوں لڑکیاں اور کاٹھیاواڑی کتھک ایسے غائب ہوئے کہ نہ جانے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔

بعض لوگ کہتے کہ دونوں بہنیں ایکٹرس بننے کے شوق میں بمبئی بھاگ گئیں۔ بعض کہتے ہیں اسی شہر کے ایک سیٹھ کے قبضے میں ہیں جس نے انہیں تالوں میں بند کر رکھا ہے۔ یہ کتھک بھی اسی سیٹھ کا سکھایا پڑھایا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں' تھانے میں رپٹ لکھوادی گئی تھی مگر ابھی تک کسی کا کھوج نہیں ملا تھا۔

جس دن یہ واقعہ پیش آیا کالونی میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ کالونی والوں کے چہرے اتر سے گئے جیسے کوئی موت واقع ہوگئی ہو۔ ریڈیو پر فلمی گانے سننے بند کر دیئے گئے۔ اور ایک سوگ کا سا سماں بندھ گیا۔ کالونی کے ایک کائستھ کی بیٹی ایک ستاریئے سے ستار سیکھا کرتی تھی۔ کائستھ نے اسی دن اسے برطرف کر دیا۔ یہ واقعہ تھا تو بہت افسوس ناک مگر ان بڑے بوڑھوں کے حق میں تائید غیبی ثابت ہوا۔ کالونی میں یک لخت ان کا وقار بڑھ گیا۔ یہ بڈھے جو پہلے سر ڈالے سائے کی طرح چپکے سے گلی کوچوں سے گزر جاتے تھے اب انہیں راستوں پر کھنکارتے زور زور سے لاٹھی ٹیکتے' سر اٹھا اٹھا کر چلنے لگے۔ وہ اپنے بیٹوں کو کھری کھری سناتے اور اس نئی تہذیب کی خوب خوب دھجیاں اڑاتے۔ برسوں سے اس کے خلاف دلوں میں جو نفرت کا طوفان امنڈ رہا تھا وہ ایک دم پھوٹ پڑا۔ اب ان کے خودسر بیٹوں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ خاموشی سے سنتے رہیں اور سر جھکا لیں۔

جس دن یہ واقعہ پیش آیا تھا اس دن بڈھوں کی اس منڈلی میں بڑا جوش و خروش نظر آنے لگا۔ یہ لوگ بلند آواز سے اس پر حاشیہ آرائی کرتے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے' ان کے لئے یہ ماجرا روز کا ایک مستقل موضوع بن گیا تھا۔

''ویدجی'' مونڈھے پر بیٹھے ہوئے ایک بڑے میاں نے اپنے ساتھ والے بڈھے سے خطاب کیا۔ ''اگر ایسا ہی ایک واقعہ اور ہو جائے تو میں مسلمان لڑکیوں کی طرح اپنی پوتیوں کو برقع پہنانا شروع کر دوں۔''

اس پر منڈلی میں ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔

''گپتا جی بھی کمال کرتے ہیں۔'' ایک سفید ریش مقطع صورت بزرگ گویا ہوئے ''شرافت کوئی برقع میں تھوڑی ہے یہ تو دل میں ہونی چاہئے۔''

''سچ کہتے ہو خان صاحب۔'' ایک اور پیر مرد نے تائید کی اور خان صاحب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ان بزرگ کا شکریہ ادا کیا۔ خان صاحب کی بہو پردہ نہیں کرتی تھی اور جوان بیٹیاں بھی بے نقاب ہی کالج جاتی تھیں۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

منڈلی میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک ''باجے والا'' کی آواز سنائی دی کالونی کی اس اداس اور سوگ بھری خاموشی میں یہ آواز ایسی معلوم ہوئی جیسے قبرستان میں کوئی بدمست شرابی آ گھسے اور بنکارنا شروع کر دے۔

بڈھوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' پھر بخشی جی' جو تھے تو ساٹھ کے پیٹے میں مگر جوانوں کا سا دم خم رکھتے تھے مونڈھے سے اٹھے اور باجے والا کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

''کیا بیچتے ہو تم؟'' بخشی جی نے غصہ بھری آواز میں پوچھا۔

باجے والا متعجب سا ہو کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں پوچھتا ہوں کیا بیچتے ہو تم؟'' بخشی جی نے پہلے سے زیادہ غصہ میں کہا۔

''ٹافی چوسنے والی گولیاں' میٹھی سونف'' باجے والا نے بدستور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''لاؤ دکھاؤ۔''

اس نے بائیسکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کر دیا اور گلے میں پڑا ہوا بکس کھول کر سب چیزوں کا ایک ایک نمونہ دکھانے لگا۔

''بے ایمان کہیں کا۔'' بخشی جی اچانک ہی برس پڑے۔ ''یہ ٹافی تو گڑ کی ہے' بچوں کو ٹھگنے کے لئے یہ چار سو بیس!''

باجے والا کچھ پریشان سا نظر آیا مگر مسکراتے ہوئے ادب سے بولا:

''حضور' اول تو یہ درست نہیں کہ یہ ٹافی گڑ کی ہے' دوسرے یہ چیزیں میں خود تھوڑا ہی بناتا ہوں۔ یہ تو کمپنی کا مال ہے۔ میں بنا بنایا مال لاتا ہوں۔''

اس اثنا میں تین چار بوڑھے اور منڈلی سے اٹھ کر باجے والا کے پاس پہنچ گئے اور اس کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔

''کیا ٹرٹر لگائی ہے۔'' یہ کہتے ہی گپتا جی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' زور کا ایک چانٹا باجے والے کے منہ پر جڑ دیا۔ ''ایک تو چور اوپر سے کمپنی کا رعب جماتا ہے' لے اور لے۔''

گپتا جی پہل کر چکے تھے۔ چاروں طرف سے باجے والا پر بے بھاؤ کی پڑنے لگیں ادھر اس کا یہ حال کہ ہر تھپڑ یا چانٹے پر وہ پہلے سے زیادہ ہکا بکا ہو کر اپنے مارنے والے کا منہ تکنے لگتا۔

اس کی ٹاپ ہیٹ اچھل کر زمین پر آ رہی تھی۔ اس کے گالوں پر انگلیوں کے نشان پڑ گئے تھے۔ گالوں اور ہونٹوں کی سرخی میں کاجل کی سیاہی مل گئی تھی۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ ایک بزرگ نے اس کے ٹیل کوٹ کی ٹیل نوچ ڈالی تھی' اس کا مٹھائیوں

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

والا بکس کھل گیا تھا اور ٹافیاں' چاکلیٹ' رنگترے کی پھانکیں' میٹھی سونف کی پڑیاں زمین پر آ رہی تھیں۔ فلمی ایکٹروں کی تصویریں' گانوں کی کتابیں' فلمی پریوں کی داستانیں زمین پر بکھری پڑی تھیں۔

''حرام زادہ۔ سور کا بچہ بڑا ایکٹر بنا پھرتا ہے۔ بدمعاش۔۔۔۔۔۔۔ جا اب تو چھوڑ دیا پھر کبھی ادھر رخ نہ کیجیو۔'' اور بڑے بوڑھوں نے خود ہی تھک کر اس کا پیچھا چھوڑ دیا اور ہانپتے ہوئے آ کر پھر اپنی منڈلی میں آ براجے۔

بابے والا مظلومی کی تصویر بنا دیر تک زمین پر بیٹھا مٹھایاں' تصویریں اور کتابیں اٹھاتا اور جھاڑ جھاڑ کر اپنے بکس میں رکھتا رہا۔ کبھی کبھی وہ ان بوڑھے بابوؤں پر بھی ایک نظر ڈال لیتا۔ آخر وہ زمین سے اٹھا' گلے میں مٹھایوں کا بکس ڈالا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس طرف گیا جہاں سائیکل کھڑی تھی۔ پھر سائیکل پر بیٹھ خاموشی سے اس نواح سے رخصت ہو گیا۔

اس مار پیٹ سے اس کے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ اسے بے عزتی کا بھی بہت غم تھا مگر اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ کس جرم کی پاداش میں یہ سزا دی گئی۔

اس کے بعد گلستاں کالونی میں بابے والا کی آواز پھر کبھی نہ سنائی دی۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

سایہ

دن بھر جیسے جیسے سائے گھٹتے بڑھتے اور زاویے بدلتے رہتے۔ سبحان کی دکان بھی جگہیں بدلتی رہتی۔ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے ہی وہ اپنا ٹھیلہ وکیل صاحب کے مکان کے سامنے سڑک کے اس کنارے لا کھڑا کرتا۔ اس طرف کوئی عمارت نہ تھی۔ زمین بھوبھل کی طرح تھی اور تھوڑی سی ڈھلوان کے بعد ایک میدان آتا تھا۔ جس میں پیپل کا ایک پرانا پیڑ تھا۔ جب سورج وکیل صاحب کے چو منزلے مکان کے پیچھے سے ابھرتا اور دھوپ دھیرے دھیرے پیپل کی چوٹی سے اترنی شروع ہوتی اور کوئی دو ڈھائی گھنٹے میں مکان کا احاطہ کرتی' ڈھلوان پر چڑھتی ہوئی سڑک کے کنارے تک پہنچ جاتی تو وہ اپنا ٹھیلہ سڑک کے اس کنارے وکیل صاحب کے مکان کے زینے کے ساتھ ملا کر کھڑا کر دیتا اور یوں اس اونچے مکان کا سایہ دو تین گھنٹے تک اور اسے دھوپ سے بچائے رکھتا۔

لیکن جب سورج عین سر پر آ جاتا اور سایہ مختصر ہوتے ہوتے ایک لکیر سی بن کے رہ جاتا تو اسے ناچار اپنا ٹھیلہ ڈھلوان پر سے دھکیل کر میدان میں پیپل تلے لے جانا پڑتا۔ جہاں وہ دو تین بجے تک ڈیرا جمائے رہتا۔ اس کے بعد سورج ڈھلنا شروع ہو جاتا تو پیپل کے سائے کے ساتھ ساتھ اس کی دکان بھی آگے سرکنی شروع ہو جاتی۔ یہاں تک کہ شام ہوتے ہوتے وہ پھر وکیل صاحب کے مکان کے سامنے سڑک کے اسی کنارے پر پہنچ جاتا۔ جہاں زمین بھوبل کی طرح تھی اور جہاں اس نے علی الصبح ٹھیلہ کھڑا کیا تھا۔ خاص طور پر گرمیوں میں اس کی دکان یوں ہی جگہیں بدلتی رہتی تھی۔

وکیل صاحب کا مکان سبحان کو دھوپ ہی سے پناہ نہ دیتا تھا بلکہ اس کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ بھی تھا۔ وکیل صاحب ایک وسیع کنبے کے سرپرست تھے۔ ان کا شمار شہر کے مشہور وکیلوں میں ہوتا تھا۔ بڑے با اخلاق' ملنسار اور مہمان نواز۔ جب تک گھر پر رہتے' ملنے والوں کا تانتا لگا رہتا' کچہری جاتے تو پیچھے بیگم صاحب ان کی ہر دلعزیزی کو برقرار رکھتیں۔ ان کی اپنی ملنے والیاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ اس پر وکیل صاحب کے موکلوں کی بیویوں کی مدارت کرنا بھی ان کے فرائض میں داخل تھا۔ چنانچہ سبحان کے ٹھیلے سے سوڈا لیمن کی بوتلوں' برف' پان' سگریٹ وغیرہ کی تھاک بندھی رہتی۔

یہ علاقہ شہر کے سرے پر تھا جہاں شہر کی حد ختم ہوتی تھی اور کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس جگہ مکان خال خال ہی تھے اور کوئی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

دکان قریب نہ تھی بھلا دو ایک گھروں کے آسرے کون ایک مستقل دکان کا متحمل ہو سکتا۔ رہا سبحان' اس کی بات دوسری تھی۔ اول تو اس کے ٹھیلے کا خرچ ہی کیا تھا۔ کرایہ دینا پڑتا تھا نہ بجلی پانی کا بل۔ پھر دنیا میں کوئی رشتہ دار تھا نہ عزیز' گھر تھا نہ در۔ اس کی ضروریات زندگی اس قدر مختصر تھیں کہ صرف وکیل صاحب کے مکان کی آمدنی ہی سے پوری ہو جاتی تھیں اور وہ شہر کے چوکوں کے ٹھیلے والوں اور دوسرے دکانداروں کی باہمی چشمکوں سے الگ تھلگ اس سنسان مگر عافیت کی جگہ میں خوش تھا۔

وکیل صاحب نے جب نئی نئی وکالت شروع کی تھی تو انہیں مجبوراً شہر کے ایک بارونق بازار میں رہنا پڑا تھا۔ چھوٹا سا مکان کرایہ حد سے بڑھا ہوا مگر رفتہ رفتہ جب کام چل نکلا اور لوگ ان کو جاننے لگے تو انہوں نے اس نواح میں ایک موکل کی زمین سستے داموں خرید لی۔ یہ زمین ایک عرصے تک یونہی پڑی رہی۔ رفتہ رفتہ جب انہوں نے تعمیر کے لئے روپیہ جمع کر لیا اور اپنے حسب منشا مکان بنوا لیا تو وہ اپنے وسیع کنبے کو لے کر اس میں اٹھ آئے ان کے قدم سے تھوڑے ہی دنوں میں اس علاقے میں زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے۔ دور دور سے تانگے والے ان کے موکلوں کو لے کر یہاں پہنچنے لگے۔ چونکہ وکیل صاحب خود بھی تانگے ہی میں بیٹھ کر کچہری جایا کرتے تھے۔ اس لئے دو ایک تانگے صبح شام ان کے مکان کے آس پاس کھڑے نظر آنے لگے۔ کبھی کبھی کوئی موٹر بھی تھوڑی دیر کے لئے ان کے مکان کے نیچے رک کر اس نواح کی رونق بڑھا جاتی۔

وکیل صاحب کے گھر کے علاوہ سبحان کی آمدنی کا ذریعہ یوں تو وہ اکا دکا راہ گیر بھی تھے جو شہر سے دیہات یا دیہات سے شہر جاتے ہوئے اس سے دو ایک پیسے کی بیڑیاں' گڑ کی ریوڑیاں یا بھنے ہوئے چنے خریدنے ٹھہر جاتے۔ مگر ان سے دریافت کم اور کوفت زیادہ ہوتی۔ خصوصاً اس وقت جب دیہاتنیں سر ٹھوڑی پر دوپٹے کے بل دیئے' ناک اور منہ چھپائے اپنی پھٹی جوتیاں گھسیٹ گھسیٹ کر چلتیں تو سڑک پر گرد و غبار کا ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوتا اور سبحان کو سوڈے کی بوتلوں سے گرد دور کرنے کے لئے پانی کا ایک اور چھینٹا دینا پڑتا۔

ان راہ گیروں سے کہیں زیادہ اس کی بکری تانگے والوں سے ہوتی تھی جو یوں تو کمر کے نیچے سے پھٹا ہوا خاکی پاجامہ پہنے ہوتے مگر قینچی سے کم درجے کا سگریٹ پینا ان کی طبع کو پسند نہ تھا اور جب پیاس لگتی تو پانی کی بجائے برف میں لگے ہوئے لیمن کے ادھے سے ان کی تسکین ہوتی تھی۔

کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ جب سبحان دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں لاوارث سانڈوں' کتوں' بھک منگے لڑکوں کے ساتھ پیپل کے سائے تلے پناہ لے رہا ہوتا اور بکری سے بے نیاز اسٹول پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگتا تو ایسے میں کوئی دیہاتی بارات دولہا دلہن سمیت' پسینے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

میں شرابور گلے ماتھے اور کلائیوں پر سستے ریشمی کپڑوں کا رنگ لگا ہوا' پیاس سے ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی اس پیپل تلے ستانے اور پڑاؤ کرنے پر مجبور ہو جاتی اور سبحان کی کئی دنوں کی کسر ایک دن میں نکل جاتی۔

سبحان کو اس علاقے میں ٹھیلہ لگاتے پانچ برس ہو چکے تھے۔ یہی ایک ایسا کام تھا جو اس نے ایک جگہ جم کر اتنے عرصے تک کیا تھا۔ ورنہ اس کی ساری عمر گھومنے پھرنے میں گزر گئی تھی۔ ابھی وہ دس برس کا بھی نہ ہوا تھا کہ فکر معاش نے اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے بچپن اور جوانی میں بیسیوں دھندے کیے تھے۔ آج اس شہر میں تو کل اس شہر میں۔ کبھی کسی گھر میں اوپر کے کام پر ملازم ہے تو کبھی کسی دفتر میں چپڑاسی ہے۔ کبھی ریلوے شاپ میں' تو کبھی چھاپے خانے میں۔ کچھ عرصہ فوج میں بھی رہا۔ جب تک ہاتھ پاؤں میں سکت رہی آزاد مزدوری کو ہر کام پر ترجیح دی مگر جب جوانی گزر گئی اور بڑھاپے کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تو طبیعت محنت مشقت سے خود بخود بھاگنے لگی۔ آخر اس نے اتنی رقم جمع کر لی کہ ایک ٹھیلہ خرید لے۔ پہلے پہل اس نے پھل اور سبزیاں ٹھیلے پر رکھ کر شہر کا چکر لگانا شروع کیا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں اس کام سے بددل ہو گیا۔ اول تو منڈی کے بھاؤ کو سمجھنا اور مول تول کرنا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ مال کو پرکھنے میں بہت جلد دھوکہ کھا جاتا۔ پھر مال نہ بکے تو گل سڑ کر یا باسی ہو کر خراب ہو جاتا اور پھر یہ کہ دوسرے ٹھیلے والوں سے خواہ مخواہ کے جھگڑے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ دن بھر پولیس والوں کی گھرکیاں اور جھڑکیاں سہنی پڑتی تھیں۔ چنانچہ اس نے زیادہ منافع کے خیال کو چھوڑ کر پان سگریٹ کی دکان پر اکتفا کیا اور شہر کا ایک ایسا الگ تھلگ گوشہ تلاش کر لیا جہاں کسی قدر چین سے زندگی کے دن پورے کر سکے۔

ادھر وکیل صاحب یہ دیکھ کر کہ یہ دکان محض ان کے گھر کے آسرے ہی پر لگائی گئی ہے اس کی سرپرستی کرنا اپنا فرض سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ ماما اور نوکروں کو تاکید تھی کہ سب اس سے سودا خریدیں اور اگر کچھ شکایت ہو یا چیزیں مہنگی معلوم ہوں تو ان کو اطلاع دیں۔ مگر سبحان کسی قسم کی شکایت کا موقع ہی نہ آنے دیتا وہ نوکروں سے ہنسی مذاق کی باتیں کر کے اور ایک آدھ پان یا بیڑی مفت کھلا پلا کے ہمیشہ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کیا کرتا۔

یوں بھی وہ ہنس مکھ اور طبیعت کا نیک تھا۔ لگائی بجھائی کی عادت نہ تھی۔ اس لئے سب سے خوب بنتی تھی۔ ٹھیلہ لگانے کے ساتھ ہی اس نے ڈاڑھی رکھ لی تھی۔ لبیں کتروانے لگا تھا۔ خشخشی داڑھی تنکوں کی بنی ہوئی مخروطی وضع کی ایک ہلکی پھلکی ٹوپی ہر وقت سر پر رہا کرتی۔ چارخانہ تہمد' گاڑھے کا کرتا' اس پر خاکی زین کا کوٹ اپنی اس وضع سے وہ خاصا دیندار معلوم ہوتا تھا۔ حالانکہ صوم وصلوٰۃ سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ان پانچ برس میں جو اس نے وکیل صاحب کے مکان کے سائے میں گزارے تھے وہ ان کے خاندان کے بہت سے حالات سے آگاہ ہو گیا تھا۔ اسے ایک ایک فرد کے عادات و اطوار کا علم تھا۔ یہاں تک کہ پردے میں رہنے والی عورتوں کا ناک نقشہ ان کی سیرت اور سبھاؤ بھی اس سے چھپا ہوا نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بیگم صاحبہ کے سارے بچے ایک ہی چھاتی کا دودھ پی کر پلے ہیں کیونکہ دوسری چھاتی میں دودھ نہیں اترتا۔ وہ جانتا تھا کہ منجھلی صاحبزادی سب بہن بھائیوں سے زیادہ غصیلی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وکیل صاحب کے والد ماجد میر صاحب بڑے قصاب تھے' مگر بیٹے کے کہنے پر انہوں نے وہ پیشہ چھوڑ دیا تھا۔ غرض کئی اور ایسی باتیں جن کا وکیل صاحب کے بہت سے ملنے والوں کو سان گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

اسی طرح اسے مکان کے ایک ایک حصے اور اس کی آرائش کا حال بھی معلوم تھا۔ حالانکہ گھر تو گھر اس نے کبھی سیڑھیوں میں بھی قدم نہ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کس کمرے میں کون رہتا ہے۔ وکیل صاحب کا دیوان خانہ کہاں ہے۔ بیگم صاحب ملنے والیوں سے کہاں ملاقات کرتی ہیں۔ بڑی صاحبزادیاں اور صاحبزادے رات کو کہاں سوتے ہیں۔ ہارمونیم کون بجاتا ہے۔ وہ پرانا بڑا کلاک جس کا گھنٹہ رات کو پچھلے پہر کے سناٹے میں سنائی دیا کرتا ہے' کس کمرے میں ہے۔ باورچی خانہ کس منزل پر ہے اور بوڑھے میر صاحب اور نوکر چاکر کس طرح رہتے سہتے ہیں۔

یہ باتیں اسے کچھ تو بچوں کے بھولے پن سے' کچھ نوکروں کی بے احتیاطی سے اور کچھ خود اپنی ٹوہ لگانے کی عادت سے معلوم ہو گئی تھیں لیکن انہیں معلوم کرنے میں کسی بری نیت کا دخل نہ تھا۔ بس اسے انسانی ہمدردی کہہ لیجئے یا دل بہلاوے کی ایک صورت۔ آخر زندگی میں کچھ لگاؤ تو ہونا ہی چاہیے تھا۔ ورنہ اس ویرانے میں ایک ایسے شخص کا جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو' دن گزارنا اجیرن ہو جاتا۔

اس پانچ سال کے عرصے میں سبحان کے سامنے وکیل صاحب کے خاندان میں دو نئے رکنوں کا اضافہ ہوا تھا۔ ایک صاحبزادہ' ایک صاحبزادی۔ ان سے پہلے جو صاحبزادے کئی گودوں میں رہتے تھے' وہ اب بہن کی انگلی پکڑے سبحان کی دکان سے اپنے لئے مٹھائی کی گولیاں لینے خود آنے لگے تھے۔ ان کے لئے ابھی پاجامہ پہننا ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

ان بہن بھائیوں سے دو بڑے صاحبزادے علی الصبح سب سے پہلے مکان سے نکلتے۔ ایک کی عمر نو برس' دوسرے کی گیارہ برس' ایک ہی طرح کے کوٹ' ایک ہی طرح کی ٹوپیاں' ایک ہی طرح کے بستے۔ اسکول روانہ ہونے سے پہلے ان ہی کی بوہنی کیا کرتا۔ جس دن انہیں آنے میں دیر ہو جاتی۔ وہ سمجھ جاتا کہ آج سکول میں چھٹی ہے۔ وہ ان کے لئے ہمیشہ بڑھیا سے بڑھیا سنگترے کی پھانکیں

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اور دوسری انگریزی مٹھائیاں لایا کرتا اور نفع کا خیال کئے بغیر ہمیشہ گنتی سے زیادہ دیا کرتا۔

کبھی کبھی وہ چھوٹے بھائی سے کہتا۔ ''افضل میاں سکول سے دیر ہو گئی ہے نا' دیکھنا آج کیسے کان اینٹھیں گے ماسٹر صاحب''

اور افضل میاں اس کے سانولے رنگ کو گھور کر کہتے۔ ''چپ رہو تم کالا آدمی' ہم تم سے بات کرنا نہیں مانگتا۔'' اور وہ دونوں ہنستے ہوئے وہاں سے چل دیتے۔

ایک دن صبح کو بڑا بھائی آیا لیکن چھوٹا نہ آیا۔ جب اس نے پھانکیں خریدنے کے لئے جیب سے پیسے نکالے تو سبحان نے پوچھا۔ ''افضل میاں کہاں ہیں؟''

''وہ ماموں کے ساتھ گاؤں گیا ہے۔'' لڑکے نے جواب دیا اور وہ اکیلا ہی سکول روانہ ہو گیا۔

جب چار پانچ روز تک سبحان نے افضل کی صورت نہ دیکھی تو اسے بے چینی سی ہونے لگی۔ آخر چھٹے روز جب دونوں بھائی پہلے کی طرح اسکول جاتے ہوئے اس کی دکان پر آئے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی کھوئی ہوئی چیز مل گئی۔

ان لڑکوں کے جانے کے بعد کوئی گھنٹہ بھر بعد ایک خالی تانگہ مکان کے نیچے آ کر رکتا اور کوچوان گھنٹی بجاتا۔ سبحان سمجھ جاتا کہ اب صاحبزادیوں کے سکول جانے کی باری ہے۔ جب انہیں آنے میں کچھ دیر ہو جاتی تو کوچوان بے صبری سے پے در پے گھنٹی بجانا شروع کر دیتا۔ اس پر پہلی منزل کے بخارچے میں سے بوڑھی ماما چق کو سرکا کر اپنا سر باہر نکالتی اور تانگے والے سے کہتی۔ ''دم لو میاں آتے ہیں ابھی آتے ہیں۔''

یہ سن کر تانگے والا بڑبڑاتا ہوا تانگے سے اتر کر سبحان کے ٹھیلے کے پاس جاتا اور اس سے قینچی کے دو سگریٹ خریدتا اور سونف ملٹھی والا پان بنوا کر کھاتا۔ آخر وکیل صاحب کی تینوں بڑی صاحبزادیاں ماما کے ہمراہ سیڑھیوں سے اترتیں۔ بڑی کی عمر اٹھارہ' منجھلی کی سولہ اور چھوٹی کی تیرہ برس۔ تینوں کے مصری وضع کے برقعے' ایک کتھئی رنگ کا' ایک سیاہ رنگ کا اور ایک سلیٹی رنگ کا' تینوں کے پاؤں میں سینڈل۔ دو بڑی بہنیں تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتیں اور چھوٹی بہن اور ماما اگلی سیٹ پر اور تانگے والا ایک بڑی سی سفید چادر تانگے کے آگے پیچھے تان دیتا۔ ماما سیر بھر برف کا چورا کر کے تھرمس بوتل میں بھروا دیتی۔ وہ اپنے لیے سبحان سے ایک برابر کا پان بھی بنواتی جس میں وہ بہت سا کالا تمباکو ڈلوایا کرتی۔ کبھی کبھی منجھلی صاحبزادی کو بدہضمی کی شکایت ہوتی تو وہ سوڈے کا ایک ادھا ماما سے منگوا کر پیا کرتی اور تانگہ چل دیتا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد مختار اور شمشاد وکیل صاحب کے بڑے صاحبزادے موسم گرما کے ہلکے پھلکے کپڑے پہنے' اپنی اپنی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

سائیکل کندھے پر اٹھائے سیڑھیوں سے اترتے دکھائی دیتے۔ وہ سڑک کو پار کر کے سبحان کے ٹھیلے کے پاس آ کھڑے ہوتے۔ سبحان انہیں سلام کرتا جس کا وہ خندہ پیشانی سے جواب دیتے۔ مگر وہ دونوں ہر وقت ایسی گرما گرم بحث میں الجھے رہتے کہ سبحان باوجود کوشش کے ان سے کوئی بات نہ کر پاتا۔ پھر ان کی باتیں بھی عموماً ایسی ہوتیں کہ سبحان کے کچھ بھی پلے نہ پڑتا۔ ان کے جوش وخروش تیز لہجے اور آنکھوں کی چمک کو دیکھ کر معلوم ہوتا کہ وہ کسی بہت ہی دقیق مسئلے پر بحث کر رہے ہیں۔ گفتگو کا جتنا حصہ سبحان کی سمجھ میں آتا وہ کچھ اس قسم کا ہوتا۔

''شمی تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے بھلا افلاطون۔۔۔۔۔۔''

''لیکن بھائی جان آپ بھی تو ذرا غور فرمایئے کہ ارسطو۔۔۔۔۔۔''

''شمی میں کہتا ہوں کہ تم کیسی بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ مانا کہ۔۔۔۔۔۔''

''وہ تو صحیح ہے لیکن بھائی جان ان دلائل کی روشنی میں۔۔۔۔۔۔''

''یہ سراسر ہٹ دھرمی ہے تمہاری شمی!''

''بھائی جان لیکن پروفیسر صاحب۔۔۔۔۔۔''

''شمی۔۔۔۔۔۔''

''بھائی جان۔۔۔۔۔۔''

''شمی۔۔۔۔۔۔''

''بھائی جان۔۔۔۔۔۔''

غرض کالج کو جاتے' کالج سے آتے' ہاکی کھیلنے جاتے' ہاکی کھیل کر آتے' جب کبھی دونوں بھائی ساتھ ساتھ ہوتے یہ بحث یوں ہی جاری رہتی۔ کبھی کبھی وہ انگریزی میں بھی گفتگو کرنے لگتے۔ پھر تو ان کا جوش وخروش اور بھی بڑھ جاتا ایسے موقعوں پر سبحان نیچی نظریں کر کے مسکرایا کرتا۔

مختار بائیس سالہ نوجوان تھا۔ صحت وتوانائی کا مجسمہ' بھرا بھرا جسم' سرخ وسفید چہرہ' شربتی رنگ کی آنکھیں۔ بھورے گھنگریالے بال۔ شمشاد اس سے دو سال چھوٹا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس کا قد بڑے بھائی سے نکلتا ہوا تھا۔ ظاہری جمال میں وہ مختار کے برابر نہ تھا۔ البتہ اپنی آنکھوں کی غیر معمولی چمک سے وہ اس سے کہیں زیادہ ذہین معلوم ہوتا تھا اور سبحان نے بارہا محسوس کیا کہ مختار بحث میں

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اپنے بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھا کر خواہ مخواہ چھوٹے بھائی کو ڈانٹتا ڈپٹتا ہے اور یہ شمشاد کی سعادت مندی ہے کہ وہ ہمیشہ بڑے بھائی کا احترام ملحوظ رکھتا ہے۔

سبحان ان کے لئے حسب معمول دو کرارے دیسی پان چن کر نکالتا اور ان پر چونا کم اور کتھا زیادہ رچنے کے لیے رکھ دیتا۔ وہ اپنی بحث کے دوران جھاڑن مانگتے اور سائیکلوں کو بھی جھاڑتے پونچھتے جاتے اور ساتھ ساتھ بحث بھی کرتے رہتے۔ کبھی کسی پہیئے میں ہوا کم ہوتی۔ تو وہیں سے ملازم لڑکے شبیر کو آواز دے کر پمپ منگوایا جاتا اور پہیئے میں ہوا بھری جاتی مگر اب بھی کیا مجال کہ بحث لمحہ بھر کے لیے بھی رکنے پائے۔ سبحان پانوں کے علاوہ سگریٹ کی دو ڈبیوں میں قینچی کے پانچ پانچ سگریٹ پہلے ہی سے ڈال رکھتا اور وہ اپنا پان منہ میں رکھ کر سگریٹ سلگا' سائیکلوں پر سوار ہو تیز تیز پیر مارتے ہوئے کالج روانہ ہوتے مگر بحث بدستور جاری رہتی۔

کوئی دس بجے کے قریب ایک اور خالی تانگہ مکان کے نیچے آ کر رکتا اور سبحان کو معلوم ہو جاتا کہ وکیل صاحب کے کچہری جانے کا وقت ہو گیا۔ اس وقت اس کا ٹھیلہ وکیل صاحب کے مکان کی سیڑھیوں کے برابر کھڑا ہوتا وہ پہلے ہی ایک اچھا سا پان چھانٹ کر لگا رکھتا۔ آخر سیڑھیوں میں بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دیتی اور وکیل صاحب سیاہ شیروانی پہنے' سر پر مشہدی پگڑی باندھے' چھڑی ٹیکتے ہوئے سیڑھیوں سے اترتے۔ ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔ بھاری بھر کم آدمی تھے مگر چاق و چوبند' فرانسیسی تراش کی ڈاڑھی جس میں اب کچھ دنوں سے سفید بال زیادہ نظر آنے لگے تھے۔ چہرے سے قناعت اور بردباری ٹپکتی تھی۔ کثرِ اولاد کی وجہ سے ہر ایک کو شفقت کی نظروں سے دیکھنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ سبحان کے سلام کے جواب میں وہ اس سے ایک آدھ بات کر لینا خواہ وہ بے معنی ہی کیوں نہ ہو' اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔

''بھئی سبحان آج کل خربوزے بڑے پھیکے آ رہے ہیں۔''

''آم بھی تو کھٹے ہیں سرکار''

''سچ کہتے ہو۔'' یہ کہہ کر تانگے میں بیٹھ جاتے اور سبحان معمول کے مطابق پان' قینچی کی ڈبیا' دیا سلائی کا بکس اور ایک کاغذ کے ٹکڑے پر تھوڑا سا چونا رکھ کر' کہ وہ زیادہ چونا کھانے کے عادی تھے' تانگے کے پاس جا یہ چیزیں انہیں دے دیتا۔ کبھی کبھی ان کا مختار بھی فائلیں لیے ان کے ہمراہ ہوتا اور سبحان کو اس کے لئے پان میں بہت سی سونف ڈالنی پڑتی۔

وہ وکیل صاحب اور ان کی بیگم سے بہت سے ملنے والوں کو بھی جاننے لگا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بدھ کے روز تیسرے پہر حاجی صاحب کے ہاں سے زنانہ سواریاں آیا کرتی ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی ان کا تانگہ آ کے رکتا وہ لائم جوس' رس بھری وغیرہ کی بوتلیں پہلے ہی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

سے دھودھا کر نکال رکھتا۔ان سواریوں کے ساتھ جو بچے آتے ان کی دل پسند مٹھائیوں کا بھی اسے پتہ تھا۔

اتوار کے روز عموماً ڈاکٹر علیم الدین یا خیر اللہ چائنا والے کے خاندان آیا کرتے' موخر الذکر وکیل صاحب کے دور کے قرابت داروں میں سے تھے اور ان ہی کی طرح کثیر الاولاد۔قریب کے رشتہ داروں میں جو کبھی کبھی ملنے آجاتے اور جن کو سبحان اچھی طرح جانتا تھا' ایک تو بیگم صاحبہ کا چھوٹا بھائی تھا جس کی بزازی کی دکان تھی۔ جب کبھی وہ آتا کپڑے کا ایک آدھ تھان اس کی بغل میں ہوتا۔ یہ تھان کبھی تو وکیل صاحب کے ہاں ہی رہ جاتا اور کبھی وہ واپس اپنے ساتھ لے جاتا اور دوسرے وکیل صاحب کے تایا جو بے حد ضعیف تھے اور اپنے بیٹے کے ساتھ شہر کے دوسرے سرے پر رہا کرتے تھے۔ جب کبھی یہ باپ بیٹے ملنے آتے تو دن بھر ان کے گھر ہی پر رہتے اور رات کو بڑی دیر میں کھانا کھا کر جاتے۔

وہ مختار اور شمشاد کے بعض دوستوں کو بھی جانتا تھا جو ان سے ملنے آیا کرتے تھے' خصوصاً ریاض کو۔شام کو جب وہ ہاکی کھیل کر واپس آتے تو اکثر ریاض بھی سائیکل پر ان کے ہمراہ ہوتا۔وہ شمشاد کا ہم عمر اور کالج میں اس کا ہم سبق تھا۔مختار سے اس کی زیادہ بے تکلفی نہ تھی۔ وہ چونکہ شمشاد کا بڑا بھائی تھا اس لئے ریاض بھی اس کا ادب کیا کرتا تھا۔ریاض ان دونوں بھائیوں سے قد میں چھوٹا تھا اور رنگت بھی ان جیسی سرخ وسفید نہ تھی۔ تاہم اس کی ملاحت میں ایک خاص بانکپن تھا' متبسم چہرہ' زندگی کی مسرتوں سے بھرپور اور فکروں سے آزاد۔شمشاد کو اس سے اور اس کو شمشاد سے گہری وابستگی تھی۔

سبحان کے ٹھیلے کے قریب جو اس وقت وکیل صاحب کے مکان کے عین مقابل سڑک کے کنارے ہوتا۔ یہ تینوں نوجوان اپنی اپنی بائیسکل تھامے رخصت سے پہلے کچھ باتیں ضرور کرتے۔ جب کبھی ریاض ان بھائیوں کی بحث میں شامل ہوجاتا۔ پھر تو بحث طول ہی کھینچتی چلی جاتی۔ سبحان سے بار بار پان اور سگریٹ لیے جاتے۔ ریاض بار بار خدا حافظ کہتا۔مگر رخصت نہ ہونے پاتا۔غرض گھنٹہ گھنٹہ ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ یوں ہی باتوں میں گزر جاتا۔اس دوران وکیل صاحب کے مکان کی دوسری منزل میں جہاں بڑی صاحبزادی کا کمرہ تھا' بار بار ایک رنگین سایہ چقوں کے پیچھے حرکت کرتا رہتا جسے سبحان کی کن انکھیوں کے سوا اور کوئی آنکھ نہ دیکھ سکتی۔

وکیل صاحب کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں سے رشتے کے سلسلے میں جو لوگ آیا کرتے سبحان ان کو بھی خوب پہچانتا تھا۔ ایسے موقعوں پر اس کی بکری ایک دم بڑھ جاتی اور گھر کے ملازموں اور بوڑھی ماما کے ساتھ ساتھ وکیل صاحب کے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں بھی دوڑ دوڑ کر سبحان کی دکان پر سودا لینے آتے تھے۔ان لوگوں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد سبحان ٹوہ لگاتا کہ کہیں بات پکی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ہوئی یا نہیں وہ شبیر سے ہنس کر کہتا۔ ''پانچوں گھی میں ہوں گی اور سر کڑھائی میں۔''

شبیر حیران ہو کر پوچھتا۔ ''کیا کہا تم نے؟''

''زیادہ بنو نہیں ہم سے' سب خبر ہے ہمیں۔''

شبیر اب بھی لاعلمی ظاہر کرتا تو وہ سمجھ جاتا کہ اس کو واقعی خبر نہیں اور پھر وہ ماما کی طرف رجوع کرتا جس سے اکثر باتیں معلوم ہو جایا کرتی تھیں۔ بڑی بی وکیل صاحب کی سب سے پرانی ملازمہ تھیں۔ ان کے سارے بچے ان ہی کی گود میں پلے بڑھے تھے۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ نہ کوئی رشتہ دار تھا ان بچوں سے انہیں دلی محبت تھی اور اس کی بنا پر وہ ان کے مستقبل کے بارے میں رائے زنی کرنا اپنا حق سمجھتی تھیں۔ چنانچہ محبت اور سادگی میں انکی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا۔

''نوج جوان لوگوں میں رشتہ ہو مجھے تو یہ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔'' پھر ذرا تامل کر کے کہتیں۔ ''گھبراؤ نہیں' وہ دن بھی آجائے گا۔ چاند سی بیٹیاں ہیں میری۔''

اور سبحان سمجھ جاتا کہ ان لوگوں سے بات نہیں ٹھہری۔ یوں ہی کسی موقع پر افضل میاں سے کہتا۔ ''شہ بالا بنے گا میرا میاں۔ ہم کو بھی گھوڑی پر چڑھاؤ گے نا؟''

اگر اس قسم کی کوئی بات گھر میں ہوئی ہوتی تو افضل میاں شرما کر چل دیتے یا معلوم نہ ہوتا تو کہتے۔

''چپ رہو تم کالا آدمی' ہم تم سے بات کرنا نہیں مانگتا۔''

ایک دن ایسے ہی موقع پر جب کچھ عورتیں آئی ہوئی تھیں' بڑی بی پان لینے آئیں ان کا سانس پھولا ہوا تھا۔ مگر وہ بہت خوش معلوم ہوتی تھیں۔ سبحان نے ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا ہی تھا کہ وہ پھٹ پڑیں۔

''کسی سے ذکر نہ کیجو' خبردار۔ بڑی صاحبزادی کی بات ٹھہر گئی۔''

''کب؟''

''ابھی ابھی''

''کون لوگ ہیں؟''

''شہر کے مشہور ڈاکٹر ہیں۔ لڑکا بی اے میں پڑھتا ہے۔ پر خبردار کسی سے ذکر نہ کر بیٹھو۔ سو دشمن ہیں' سو دوست۔ میں نے گھر کا آدمی سمجھ کے تم سے کہہ دیا ہے تم کسی سے نہ کہنا۔ بچوں سے بھی نہیں' نوکروں سے بھی نہیں۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اس کے دو تین ہی دن بعد سبحان نے کئی اور ذریعوں سے بڑی بی کی بات کی تصدیق کر لی۔ سمدھیوں میں میل جول بڑھنے لگا۔ عورتیں تو آتی جاتی ہی رہتی تھیں۔ ایک بار لڑکے کے والد ڈاکٹر صاحب بھی اپنی موٹر میں بیٹھ کے وکیل صاحب سے ملنے آئے اور دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ دوسری مرتبہ ضیافت پر آئے۔ اس موقع پر ان کا بیٹا بھی ہمراہ تھا وہ خاصا قبول صورت تھا مگر کسی قدر لاغر معلوم ہوتا تھا۔ بڑی بی نے کہا ''امتحان کی فکر ہے بچارے کو۔'' سبحان کو اس کا نام بھی معلوم ہو گیا 'صغیر احمد۔ قرار یہ پایا کہ جب لڑکا امتحان دے لے تو اس کی شادی کر دی جائے گی۔

بڑی صاحبزادی کے جہیز کے لیے جلدی جلدی جو زیورات و ملبوسات تیار کرائے جا رہے تھے سبحان ان کی پوری تفصیل جانتا تھا۔ اس دوران میں شمشاد میاں کے دوست ریاض بھی کئی مرتبہ ہاکی کے بعد ان دونوں بھائیوں کو ان کے گھر تک پہنچانے آئے اور سبحان نے دیکھا کہ دوسری منزل میں چقوں کے پیچھے وہ رنگین سایہ اب بھی حرکت کرتا ہے۔

اور ایک دن اچانک سبحان کے ذہن میں ایک بات آئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ صاحبزادی کو یہ رشتہ منظور نہ ہو۔ یہ بات اسے کسی نے نہیں سمجھائی تھی اور سمجھاتا بھی تو کون۔ کیونکہ وکیل صاحب یا گھر کے کسی اور آدمی کو اس کا گمان تک نہ تھا۔ اس نے مختلف ذریعوں سے معلومات حاصل کر کے خود ہی یہ نتیجہ نکالا تھا۔ آخر اس نے بھی ایک عمر گزاری تھی۔ زمانے کا سرد گرم دیکھا تھا۔ دو تین مرتبہ بڑی بی اور بچوں سے اسے معلوم ہوا تھا کہ صاحبزادی کی طبیعت ناساز ہے ایک دن دیکھا کہ تانگے میں سوار ہوتے وقت وہ بڑی بے دلی سے قدم اٹھا رہی ہے۔ ایک دن وہ اپنی بہنوں کے ساتھ اسکول نہیں گئی بلکہ دردِ سر کی وجہ سے گھر ہی میں رہی مگر اسی شام کو جب مختار اور شمشاد کے ساتھ ریاض میاں سبحان کی دکان پر آئے اور سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے تو اس نے دوسری منزل میں چقوں کے پیچھے اس رنگین سائے کو پہلے سے بھی زیادہ بے چین دیکھا۔

ایسے معاملوں میں دل پر جو گزرتی ہے' سبحان اس سے بخوبی واقف تھا۔ مدت ہوئی جوانی میں وہ ایک پہاڑی مقام پر رکشا چلایا کرتا تھا تو اسے ایک عورت سے محبت ہو گئی تھی۔ دن بھر جو کچھ کماتا لا کر اس کے حوالے کر دیتا مگر اس عورت کے کچھ اور آشنا بھی تھے جن سے وہ چھپ چھپ کے ملا کرتی۔ ایک دن سبحان نے موقع پر جا لیا۔ چٹیا پکڑ کر کھینچتا ہوا اپنی کوٹھڑی میں لے آیا اور شراب کے نشے میں کچھ زیادہ ہی مرمت کر ڈالی۔ صبح کو آنکھ کھلی تو کوٹھڑی خالی تھی اور باہر آنگن میں اس کا رکشا جلا پڑا تھا۔ سبحان مدتوں اس عورت کو ڈھونڈتا رہا۔ مگر اس کی صورت پھر کبھی نظر نہ آئی اور نہ اس کی یاد دل سے مٹی۔

شادی کی تیاریاں اب اور بھی زور شور سے ہونے لگی تھیں۔ وکیل صاحب کے گھر میں ہر وقت ایک شور و غل مچا رہتا۔ طرح طرح

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

کی اجناس تھیلوں میں لدلد کے آ رہی تھیں۔ قسم قسم کا فرنیچر' سنگھار' میز' پلنگ' کرسیاں' تپائیاں' تانبے اور پیتل کے برتن جنہیں قلعی گر نے چاندی کا سا بنا دیا تھا۔ مہمانوں کی وہ ریل پیل تھی کہ سبحان کو دکانداری سے لمحہ بھر کی فرصت نہ ملتی تھی۔ مگر پھر بھی وہ خوش نہ تھا۔ جوں جوں شادی کا دن قریب آتا جاتا اس کی افسردگی بڑھتی جاتی تھی اور اسے ایک نامعلوم ہول سا ہونے لگا تھا۔ وکیل صاحب اس سے اور بھی زیادہ لطف و مہربانی سے پیش آنے لگے تھے۔ ایک دن وہ اس سے کہنے لگے۔

''سبحان، ہم تمہارے لئے بھی ایک جوڑا سلوائیں گے۔ بارات کے روز پہننا۔ دیکھنا انکار نہ کرنا۔ ہمسائے کا رشتہ عزیزوں سے کم نہیں ہوتا۔''

سبحان نے وکیل صاحب کے بچوں کو دعائیں دیں مگر یہ مژدہ بھی اس کی افسردگی کو دور نہ کر سکا۔

ایک علی الصبح سبحان نے ابھی ٹھیلہ سڑک کے کنارے لا کے کھڑا ہی کیا تھا کہ دیکھا شمشاد کندھے پر بائیسکل اٹھائے جلد جلد سیڑھیوں سے اتر رہا ہے اس نے صرف بنیان اور نیکر پہن رکھا تھا اور ابھی داڑھی بھی نہیں مونڈی تھی۔

''کہیئے' شمشاد میاں صبح صبح کدھر کی تیاری ہے؟'' سبحان نے پوچھا۔

''کہیں نہیں' ڈاکٹر کو بلانے جا رہا ہوں۔'' شمشاد نے جواب دیا۔

''خیر تو ہے؟'' سبحان نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں خیر ہی ہے۔'' یہ کہہ کر شمشاد بائیسکل پر تیز تیز پاؤں مارتا ہوا چل دیا۔

سبحان کا ماتھا ٹھنکا اور وہ بے تابی کے ساتھ گھر کے اور لوگوں کی راہ دیکھنے لگا تا کہ معلوم کرے کون بیمار ہے۔ جب وکیل صاحب کے دونوں چھوٹے صاحبزادے سکول جانے کے لیے گھر سے نکلے تو ان سے معلوم ہوا کہ رات بڑی باجی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ایک موٹر وکیل صاحب کے مکان کے نیچے رکی اور ڈاکٹر ہاتھ میں بیگ لئے اوپر گیا۔ کوئی دس منٹ کے بعد وہ نیچے اترا' سبحان اپنا ٹھیلہ چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا مگر اس سے کچھ پوچھنے کی اسے جرات نہ ہو سکی اور وہ اور بھی زیادہ بے تابی کے ساتھ بڑی بی یا شبیر کا انتظار کرنے لگا۔

دو گھنٹے بعد ڈاکٹر پھر آیا اور جب وہ جانے لگا تو سبحان پھر اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس کے لب ہلے مگر سوال کرنے کی اب کے بھی اسے جرات نہ ہوئی۔ اس دفعہ بڑی بی پان لینے آئیں تو ان سے معلوم ہوا کہ حالت میں کچھ فرق نہیں ہے۔ ڈاکٹر شام کو پھر آنے کو

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

کہہ گیا ہے۔

اس روز وکیل صاحب کچہری نہیں گئے۔ تیسرے پہر لڑکی کا ہونے والا سسر جو خود بھی ڈاکٹر تھا' اسے دیکھنے آیا اور ایک گھنٹہ تک اس کے پاس رہا اور جو لوگ اس کی خبر کو آئے انہیں جلد ہی رخصت کر دیا گیا۔ دن بھر مکان پر ایک مقبرے کی سی خاموشی رہی۔ شمشاد اور مختار کالج سے جلد واپس آ گئے تھے۔ شام کو وہ ہاکی کھیلنے نہیں گئے۔ ریاض شمشاد سے ملنے آیا۔ سبحان کے ٹھیلے کے قریب جب شمشاد اس سے اپنی بہن کا حال بیان کر رہا تھا تو سبحان نے سنا کہ اس کے مرض میں ابھی افاقہ نہیں ہوا۔ دونوں ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اگر آج کی رات خیریت سے گزر گئی تو پھر کوئی اندیشہ نہیں۔

جس وقت وہ باتیں کر رہے تھے تو سبحان کی نظر بے اختیار دوسری منزل پر چقوں کی طرف اٹھ گئی۔ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی مگر وہ سایہ نظر نہیں آیا۔

تھوڑی دیر میں ریاض رخصت ہو گیا۔

شمشاد نے گھر جاتے ہوئے سبحان سے کہا۔ ''برف اور لار رکھنا۔ شاید رات کو ضرورت پڑ جائے۔''

''فکر نہ کیجئے' میں نے من بھر برف پہلے ہی سے منگوا رکھی ہے۔''

سبحان رات کو عموماً نو بجے دکان بڑھایا کرتا تھا مگر اس رات اس نے گیارہ بجے تک جمائے رکھی۔ اس دوران ملازموں سے برابر بچی کی خیریت معلوم کرتا رہا۔ اس کی حالت اگر سدھری نہیں تھی تو زیادہ بری بھی نہیں ہونے پائی تھی۔

آدھی رات کے قریب وہ ٹھیلے کو بند کر کے حسب معمول اس کے قریب ہی سڑک کے کنارے چارپائی ڈال لیٹ رہا۔ مگر آنکھوں میں نیند غائب تھی۔ کان وکیل صاحب کے مکان کی طرف لگے ہوئے تھے۔ صبح کو تین بجے کے قریب جب وہ ذرا اونگھنے لگا تو اچانک ایک طرف سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا اور وکیل صاحب کے مکان کی سیڑھیوں کی طرف بھاگا مگر گھر میں بدستور خاموشی تھی۔

اس نے پتھر مار کر کتے کو بھگا دیا۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

سرخ جلوس

یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب میں نے ''نوبہار'' کے چیف ایڈیٹر سے ایک معمولی سا اختلاف ہو جانے پر جوانی کے جوش میں استعفادے دیا تھا اور پھر رفتہ رفتہ فکر معاش نے مجھے ''ستارہ مشرق'' میں ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''ستارہ مشرق'' کسی رسالہ یا اخبار کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ہوٹل تھا۔ جس میں زیادہ تر مغربی ممالک کے سیاح آ کر ٹھہرتے تھے۔ اس کا مالک بمبئی کا ایک سیٹھ تھا۔ جس نے اس کا انتظام ایک انگریز منیجر کو سونپ رکھا تھا۔ میں ملازم تو ایک کلرک کی حیثیت سے ہوا تھا مگر میرا کام اور استعداد دیکھ کر سیٹھ نے جلد ہی مجھے ہوٹل کا اسسٹنٹ منیجر بنا دیا۔ میری ترقی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ سیٹھ کو انگریز منیجر پر اعتماد نہیں تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کوئی سمجھدار ہندوستانی اس کے کام پر نظر رکھے۔

میرے ذمے یہ خدمت تھی کہ میں ہوٹل میں ٹھہرنے والوں کا خیال رکھو نیز غیر ملکوں سے جو لوگ ہندوستان کی سیاحت کے لئے آتے ہیں ان کو اس ملک کے بارے میں علمی وثقافتی معلومات بہم پہنچاؤں۔ یہ ہوٹل اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے غیر ملکی سیاحوں میں بہت مقبول تھا۔ کوئی دن نہ جاتا تھا کہ دس پانچ نئے مہمان بیرونی ممالک سے آ کر یہاں نہ ٹھہرتے ہوں۔ ہفتوں پہلے سے ان کے لئے کمرے ریزرو کر لئے جاتے تھے۔ یہ ہوٹل بمبئی کے بڑے ہوٹلوں میں شمار ہوتا تھا۔ اور اس میں ایک وقت میں دو ڈھائی سو مسافر بخوبی رہ سکتے تھے۔

ایک دفعہ امریکہ کی ایک خاتون ہمارے ہوٹل میں آ کر مقیم ہوئی۔ مس گلبرٹ اس کا نام تھا۔ وہ امریکہ کے ایک متمول تاجر کی بیٹی تھی۔ ممالک مشرق اور بالخصوص ہندوستان کی سیاحت کا اسے بڑا شوق تھا۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی سے بھی گہری دلچسپی تھی اور خاص کر یہاں کی ستیہ گرہ کی تحریک، بھوک ہڑتال، جلسوں اور جلوسوں کو وہ بچشم خود دیکھنے کی بڑی تمنا رکھتی تھی مگر بدقسمتی سے وہ ایسے وقت یہاں پہنچی کہ تحریک آزادی ختم ہو چکی تھی کیونکہ برطانیہ نے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اب یہاں نہ عدم تعاون کی تحریک باقی رہی تھی، نہ ستیہ گرہ اور ہڑتالیں ہوتی تھیں، نہ جلوس نکلتے تھے۔ بس یہ کیفیت تھی کہ انگریز تو اسباب باندھنے میں مصروف تھے اور اہل ملک ان کی جگہ سنبھالنے کے لئے پر پرزوں سے درست ہو رہے تھے۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

مس گلبرٹ سادہ طبیعت اور نیک دل تھی' اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انسانی تفریق کی خواہ وہ رنگ اور نسل کی ہو یا روپیہ پیسہ کی' قائل نہیں ہے مگر انسان دوستی کا وسیع جذبہ اپنے دل میں لئے ہوئے ہے۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ تھی۔ لمبا قد' چوڑا چکلا چہرہ' انتہائی سادہ خدوخال' کلوں پر ہلکی ہلکی زردی گھنڈی ہوئی' سنہرے بال۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو خوبصورت تو ہرگز نہیں ہوتیں مگر انہیں بدصورت بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ان میں ایک خاص طرح کی جاذبیت پائی جاتی ہے۔

سہ پہر کے چائے کے وقت جب وہ ستارہ مشرق کے وسیع اور خوش قطع لان میں چھوٹے چھوٹے یوروپین خاندانوں اور بچوں کے غل غپاڑے سے الگ تھلگ اپنی میز پر اکیلی بیٹھی ہوتی تو مجھے اس پر ترس سا آیا کرتا۔ وہ طبعاً آدمیوں سے متنفر نہیں تھی البتہ یہاں آ کے اسے جو مایوسی ہوئی تھی اس نے اسے مغموم بنا رکھا تھا۔ بھلا ایسی عورت کے پاس بیٹھ کر کون اپنا وقت ضائع کرتا' ہاں جب کبھی وہ میرے پاس کچھ دریافت کرنے آتی تو میں انتہائی توجہ سے اس کی بات سنتا اور خندہ پیشانی سے جواب دیتا اور چاہتا کہ وہ زیادہ تر وقت میرے پاس گزارے' یوں بھی اس کے پاس جا کر پوچھ لیتا کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔

میں بمبئی کی سیر گاہوں اور اہم قابل دید مقامات کا حال تفصیل سے بیان کرتا مگر وہ دھیان نہ دیتی۔ اسے یہاں کی تفریح گاہوں اور تاریخی مقامات سے دلچسپی نہ تھی۔ اس کے لئے وہ کئی مرتبہ یورپ کا چکر لگا چکی تھی۔ جو باتیں وہ مجھ سے پوچھتی ان کا جواب دینے سے میں کتراتا کیونکہ منیجر کی طرف سے ہمیں سخت تاکید تھی کہ ہم ملکی معاملات کے بارے میں مہمانوں سے کسی قسم کی گفتگو نہ کریں۔
ادھر تحریک آزادی کے ختم ہوتے ہی اخباروں کی ہنگامہ آرائی بھی ختم ہو گئی تھی۔ اب ان میں قتل' ڈاکہ زنی اور اغواہ کی خبریں چھپنے لگی تھیں جن کے پڑھنے سے دل پر افسردگی سی طاری ہوتی تھی۔

ایک دن وہ حسب معمول لان میں اکیلی بیٹھی بے دلی سے اخبارات کے ورق الٹ رہی تھی۔ یہ اواخر سرما کی ایک سہانی سہ پہر تھی۔ دھوپ نرم اور حدت آمیز تھی بہار کا سماں تھا' مگر آج وہ پہلے سے بھی زیادہ افسردہ معلوم ہوتی تھی۔ میں اسی خیال میں کھویا ہوا تھا کہ اتنے میں میرا پرانا دوست ریاض میرے کمرے میں آ دھمکا۔ جس زمانے میں میں ''نو بہار'' کے عملہ ادارت کا ایک رکن تھا' ریاض ہمارا چیف رپورٹر تھا۔ اخبار سے میرا تعلق ختم ہوتے ہی وہ بھی وہاں سے چلا گیا تھا اور کسی فلمی یونٹ سے منسلک ہو گیا تھا۔ وہ ان نوجوانوں میں سے تھا جو غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور ہر کام خواہ وہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو بڑی آسانی سے کر لیتے ہیں۔ فلم کے لئے کہانیاں اس نے لکھیں' موسیقی کی دھنیں اس نے بنائیں۔ گھوڑ دوڑ میں جاکی کا کام اس نے کیا' کئی مشہور فلم ایکٹرسوں کے پرائیویٹ سیکریٹری کی خدمات اس نے انجام دیں۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اس وقت اسے دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ ہم ایک مدت کے بعد ملے تھے مجھے معلوم نہ تھا کہ آج کل وہ کیا کرتا تھا۔ نہ جانے میرے جی میں کیا آئی کہ میں نے مس گلبرٹ کا حال اسے بتادیا اور دفتر کی کھڑکی میں سے دور ہی سے اس کی صورت بھی دکھادی۔

''بری نہیں۔'' وہ کہنے لگی۔ ''اور یہ جو تم جلسے جلوسوں کی بات کہہ رہے ہو یہ کون سا مشکل کام ہے بھیا! جس ملک میں سگریٹ بیڑی کے جلوس نکل سکتے ہوں' بوٹ پالش کے جلوس نکل سکتے ہوں' نئی فلموں' کشتیوں اور دنگلوں کے جلوس نکل سکتے ہوں' وہاں سیاسی جلوس نکالنا کیا مشکل بات ہے۔ جلوس تو تماشائیوں سے بنتا ہے' تماشائیوں سے۔ اصل جلوس والے تو پانچ فیصد بھی نہیں ہوتے۔ بس ایسے لوازمات جمع کردو جو تماشائیوں کو اپنی طرف کھینچ لیں تو سو کا جلوس دس ہزار کا معلوم ہونے لگے گا۔''

کچھ دیر ہم دونوں خاموش رہے۔ سائے اب طویل ہونے شروع ہو گئے تھے۔ فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ لان میں بیٹھے ہوئے لوگ اب اٹھنے شروع ہو گئے تھے۔ مس گلبرٹ نے اخبارات کو اکٹھا کیا اور ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ ریاض نے کہا۔ ''سنو! اگر تم سو پچاس کا انتظام کر سکو تو میں تمہاری میم صاحب کی آرزو پوری کر سکتا ہوں۔''

میں نے کہا۔

''اتنی رقم تو وہ چندے کے طور پر بھی دے سکتی ہے۔ وہ بہت امیر عورت ہے۔ امریکہ والوں کو تو تم جانتے ہی ہو۔''

''تو بس اسی ہفتہ میں اس کا انتظام کردوں گا۔ اچھی خاصی دل لگی رہے گی۔''

''لیکن ریاض!'' میں نے لمحہ بھر غور کر کے کہا۔ ''کسی شریف عورت کو یوں دھوکا دینا۔''

''دھوکا!'' اس نے میری بات کاٹ کر کہا:

''آج کل ہر چیز دھوکا ہے۔ خود زندگی ایک دھوکا ہے اور پھر تم خیال تو کرو کہ وہ اس ملک سے کس قدر مایوس ہو کر جائے گی۔ ہماری ذرا سی کوشش اسے بامراد بنا سکتی ہے۔''

میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ معاملہ ایسا تھا کہ میری نوکری کے لئے مخدوش ہو سکتا تھا مگر یہ تجویز میرے منچلے دوست کو بھا گئی تھی۔ وہ ہمیشہ نئے نئے تجربوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس نے مجھے زیادہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا اور یہ کہتا ہوا کہ ''تو بس پھر طے ہے'' ایک دم کمرے سے چلا گیا۔

تیسرے دن اس نے مجھے ٹیلی فون پر بتایا کہ سب معاملہ ٹھیک ہے' میں چار بجے آؤں گا' تم میم صاحب کو تیار رکھنا اور ہاں میرا ان سے تعارف بھی کرا دینا' پھر اگر تمہیں فرصت ہو تو تم بھی ساتھ چلے چلنا ورنہ میں خود ہی سنبھال لوں گا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

لنچ کے وقت میں ڈرتے ڈرتے مس گلبرٹ کے پاس پہنچا اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس سے کہا۔

''آج ایک جلوس نکلنے والا ہے۔ اگر تمہیں دلچسپی ہو تو سہ پہر کو اسے دیکھنے چل سکتی ہو۔''

وہ سنتے ہی اچھل پڑی۔

''سچ!'' اس نے کہا ''ضرور چلوں گی۔ مگر کہاں اور یہ کن کا جلوس ہے؟''

میں نے کہا۔

''ٹھیک طور پر میں خود بھی نہیں جانتا مگر سہ پہر کو میرا ایک دوست آ رہا ہے' اس جلوس کی تفصیل اس سے معلوم ہو جائے گی۔''

اس نے بڑی گرم جوشی سے میرا شکریہ ادا کیا اور میں کمرے میں چلا آیا۔

ریاض ٹھیک چار بجے ہوٹل میں پہنچ گیا۔ ہم پہلے ہی سے اس کے منتظر تھے۔ غائبانہ تعارف میں کرا ہی چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں اگر چاہتا تو کام کا بہانہ کر کے ہوٹل ہی میں رہ سکتا تھا۔ لیکن سچ پوچھئے تو میرے دل میں خود گدگدی ہو رہی تھی کہ دیکھوں میرا دوست کیا تماشا دکھانے والا ہے۔ میں نے منیجر سے دو گھنٹہ کی چھٹی لی اور پھر ہم تینوں ٹیکسی میں بیٹھ کر چل دیئے۔ ریاض نے ٹیکسی والے کو بمبئی کے ایک غیر معروف علاقے کی طرف چلنے کی ہدایت کر دی تھی۔

وہ مس گلبرٹ سے بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی یہ کیفیت ہو گئی جیسے وہ گلبرٹ کا بہت پرانا جاننے والا ہو۔ اس نے کہا: ''ہر چند ملک کو آزادی مل چکی ہے' مگر یہاں کا مزدور طبقہ ابھی اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہے۔ کئی دن سے اس کے ایک فرقہ میں اندر اندر ہی مواد پک رہا تھا جو آج پھوٹ پڑا۔ یہ فرقہ سائس کہلاتا ہے۔ ان کا کام بگھی چلانا اور گھوڑوں کی دیکھ بھال ہوتا ہے' چنانچہ آج اس فرقے کے لوگ اپنے مالکوں کی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں' آج ان کا ایک جلوس نکل رہا ہے۔ میں نے اس جلوس کو دیکھنے کے لئے ایک فلیٹ کی بالکنی میں انتظام کیا ہے۔''

مس گلبرٹ نے ٹیکسی میں بیٹھتے بیٹھتے ایک مرتبہ پھر گرمجوشی سے ہمارا شکریہ ادا کیا۔ کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد ریاض نے ٹیکسی کو ایک ایسے مقام پر ٹھہرایا جو خود میرے لئے بھی اجنبی تھا۔ ہم ایک اونچی عمارت کی پہلی منزل کے فلیٹوں میں سے ہوتے ہوئے ایک بالکنی میں پہنچے' اس میں تین کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ مس گلبرٹ اپنے ساتھ کیمرہ' دوربین' تھرمس کی دو بوتلیں اور کچھ سینڈوچ ایک ٹوکری میں رکھ کر لائی تھی۔

ریاض نے کہا: ''جلوس کے آنے میں ابھی پانچ منٹ کی دیر ہے۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

مس گلبرٹ بولی: ''اچھی بات ہے' ہم اتنے میں کافی پیتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے ٹوکری میں سے تین چھوٹی چھوٹی پیالیاں نکالیں اور ایک تھرمس کا منہ کھول کر ان میں گرم گرم کافی انڈیلنے لگی۔

ابھی ہم نے کافی ختم نہیں کی تھی کہ ایک طرف سے نقاروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ریاض نے کہا۔ ''لو جلوس آ گیا۔''

مس گلبرٹ نے جلدی سے اپنی دوربین سنبھالی اور اس طرف دیکھنے لگی جدھر ریاض نے اشارہ کیا تھا۔ ہم جس سڑک پر تھے وہ ایک طرف سے خم کھاتی ہوئی دوسری طرف مڑ جاتی تھی۔ میں خوب سمجھتا تھا کہ ریاض نے کس مصلحت سے اس مقام کو چنا ہے ہماری نظر کے سامنے سڑک کا صرف سو سوا سو گز کا ٹکڑا تھا چنانچہ نقاروں کی آواز سے یہ تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ جلوس بہت قریب پہنچ چکا ہے مگر موڑ کی وجہ سے جلوس کا اگلا حصہ ابھی ہماری نظروں سے پوشیدہ تھا۔

اس وقت مس گلبرٹ کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بے رنگ گالوں پر ہلکی ہلکی سرخی جھلکنے لگی تھی۔ اس نے دوربین اپنی آنکھوں سے نہیں ہٹائی تھی۔ اس سے اس کی بے تابی کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ آخر چند لمحوں کے بعد جلوس نے اپنی جھلک دکھائی پہلے ایک اونٹ آیا جس کو بہت گہرے سرخ رنگ میں رنگا گیا تھا۔ اس کے دونوں طرف دو بڑے بڑے نقارے بندھے ہوئے تھے ان کا رنگ بھی سرخ تھا۔ اس پر دو لڑکے لال ہی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے زور زور سے نقاروں کو پیٹ رہے تھے۔

مس گلبرٹ نے جلدی سے دوربین ہٹا کر کیمرہ سنبھالا اور دور کا ایک شاٹ لیا۔ اونٹ کے پیچھے پانچ چھ خالی بگھیاں تھیں۔ جن کے آگے گھوڑوں کے بجائے آدمی جتے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک مست فقیر تھا جس کے تن پر سوائے لنگوٹی کے اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ اس نے منہ پر سیندور مل رکھا تھا۔ پاؤں میں گھنگھرو تھے۔ ہاتھ میں ایک بڑا سا سونٹا جس کے سرے پر طرح طرح کے رنگین کپڑوں کی دھجیاں بندھی ہوئی تھیں اور چک پھیریاں لے لے کر ناچ رہا تھا۔

ریاض نے مس گلبرٹ کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر فوراً کہا: ''یہ ان سائیسوں کا روحانی پیشوا ہے۔ اس نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک میرے فرقے کے لوگوں کے مطالبات پورے نہیں کئے جائیں گے میں اپنا ناچ جاری رکھوں گا۔''

جیسا کہ ہمیں توقع تھی اس عجیب و غریب جلوس کو دیکھنے کے لئے سچ مچ خلقت ٹوٹ پڑی تھی۔ آس پاس کے مکانوں میں کوئی کھڑکی' کوئی دروازہ کوئی بالکنی ایسی نہ تھی جو عورتوں اور بچوں سے بھری ہوئی نہ ہو۔ ادھر جلوس کے دونوں طرف تماشائیوں کا وہ ہجوم تھا کہ سچ مچ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ تماشائی شاید سمجھ رہے ہیں کہ یہ سین کسی فلم کے لئے تیار کیا جا رہا ہے اور بمبئی ایسے شہر میں یہ کوئی نئی بات بھی نہ تھی۔

جلوس کے ساتھ سرخ رنگ کے کئی پرچم بھی تھے۔ کپڑوں پر مختلف رنگوں میں ''انقلاب زندہ باد'' اور طرح طرح کے الفاظ اور

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

جملے تحریر تھے جن میں سائیسوں کی برادری کو خواب غفلت سے بیدار کیا گیا تھا اور دھنوان سیٹھوں کو تنبیہ کی گئی تھی' انہی میں ایک پرچم پر یہ الفاظ لکھے تھے۔

''سائیسی علم دریاؤ''

''آخر ان لوگوں کے مطالبات کیا ہیں؟'' مس گلبرٹ نے پوچھا۔

ریاض نے جواب دیا:

''تنخواہ میں اضافہ' کام کے اوقات کا تعین' بس ایسی باتیں ہوں گی۔ میں پوری تفصیل سے واقف نہیں۔''

اب سائیسوں کی ایک ٹولی آئی' جنہوں نے سر اور ماتھے پر سیندور ڈال رکھا تھا۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ پوربی زبان میں انقلابی گیت گاتے چلے آ رہے تھے۔

ہیا

بولو ہیا ہیا

رت چوس لیو ہمرو سارو

تیل بنا چلے کا ہے پہیا

ہیا

بولو ہیا ہیا

بھوکن پٹین پرت کچھونا ہیں

چو ہن ناچت تھیا تھیا

ہیا

بولو ہیا ہیا

ریاض نے اس انقلابی گیت کا ترجمہ مس گلبرٹ کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئی اور فوراً اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا۔ ریاض کا کمال یہ تھا کہ وہ غیر متعلقہ آدمیوں کو بھی جلوس ہی کا ایک حصہ ظاہر کر رہا تھا' مثلاً دو تین لڑکے آگے پیچھے بیڑی کے اشتہار کے بورڈ لٹکائے خواہ مخواہ جلوس میں آ شامل ہوئے تھے وہ آوازیں لگا رہے تھے۔ ''چرخہ مارکہ بیڑی پیا کرو۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''یہ کون لوگ ہیں؟'' مس گلبرٹ نے پوچھا۔

ریاض نے جھٹ جواب دیا۔ ''یہ بیڑی بیچنے والوں کے نمائندے ہیں' وہ کہہ رہے ہیں ہماری ہمدردی سائیسوں کے ساتھ ہے۔''

اب سونٹے والا مست فقیر مس گلبرٹ کی بالکنی کے بالکل نیچے پہنچ گیا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر زور سے اللہ ہو کا نعرہ لگایا۔ ساتھ ہی مس گلبرٹ کے چہرے پر بھی نظر پڑی اور اس نے پہلے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ رقص کرنا شروع کر دیا۔ مس گلبرٹ نے خاص طور پر اس فقیر کے کئی شاٹ لئے۔

پانچ سات منٹ کے بعد یہ جلوس دوسرے موڑ پر پہنچ کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم نے چائے کی پیالیاں اور دوسرا سامان ٹوکری میں ڈالا اور بالکنی سے اتر کر ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ مس گلبرٹ راستہ بھر میرا اور ریاض کا شکریہ ادا کرتی رہی اس نے کہا:

''میں اس جلوس کا حال اپنی مما پپا کو آج ہی لکھ بھیجوں گی۔''

ٹیکسی ہوٹل کے پاس پہنچی تو میری جان میں جان آئی۔ ریاض کا چہرہ کامرانی سے چمک رہا تھا اور میں آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی ذہانت کی داد دے رہا تھا۔ مس گلبرٹ کے رخصت ہونے سے پہلے ریاض نے پیش بندی کے طور پر اس کو بتا دیا تھا کہ آج کل چوں کہ حکومت اور رعایا میں مفاہمت ہو چکی ہے اس لئے ہمارے لیڈروں نے تمام اخبارات کو ہدایت کر رکھی ہے کہ کوئی ایسی تصویر یا خبر نہ چھاپی جائے جس سے دونوں کے تعلقات میں بدمزگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ شاید کوئی اخبار اس جلوس کی خبر یا تصویر چھاپے۔

مس گلبرٹ کے بشرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس نکتے کو بخوبی سمجھ گئی ہے۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے اس نے ایک معقول رقم کا چیک کاٹ کر ریاض کو دیا اور کہا ''جہاں آپ نے میرے لئے اتنی زحمت اٹھائی ہے وہاں اتنی تکلیف اور کیجئے گا کہ یہ حقیر سی رقم میری طرف سے ان غریب سائیسوں کو دے دیجئے گا۔''

چیک لے کر ریاض جلدی سے رخصت ہو گیا۔

اس سوانگ کے یوں خیر وخوبی سرانجام پا جانے پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا گیا مگر پھر بھی دو تین دن تک میں نے مس گلبرٹ سے بات کرنے سے پہلوتہی کی۔ بس مزاج پرسی کر لیتا اور یوں ظاہر کرتا جیسے میں سخت مصروف ہوں۔ جب ایک ہفتہ یوں ہی گزر گیا اور کسی قسم کا ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا تو میری فکر دور ہوئی۔

اگلے روز اتوار تھا' میں پہلے کی طرح چونچال ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ آج مس گلبرٹ سے جی بھر کے باتیں کروں گا' مگر اتنے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

میں کیا دیکھتا ہوں کہ ریاض بھاگا چلا آ رہا ہے۔

''ارے غضب ہو گیا۔'' اس نے میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔ ''اس دن والے مذاق نے کچھ اور ہی رنگ اختیار کر لیا۔''

پھر کچھ بتائے بغیر وہ مجھے زبردستی کھینچتا ہوا ہوٹل سے باہر لے گیا جہاں اس کی ٹیکسی کھڑی تھی۔ ہم شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

شہر میں سچ مچ کا ایک جلوس نکلا ہوا تھا۔ کسی الگ تھلگ گمنام گوشے میں نہیں بلکہ شہر کے عین بیچوں بیچ' اس میں دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں سائیس شامل تھے۔ جلوس بڑا قاعدے کا تھا یعنی اس میں کسی قسم کا غیر متعلقہ عنصر نہیں تھا' نہ ڈھول ڈھمکا اور نہ اونٹ' البتہ یہ لوگ ریاض ہی کا بنایا ہوا انقلابی گیت جوش و خروش سے گاتے ہوئے جا رہے تھے:

ہیا

بولو ہیا ہیا

بھوکن پٹین پرت کچھو نا ہیں

چوہن ناچت تھیا تھیا

ہیا

بولو ہیا ہیا

اس میں شبہ نہیں کہ یہ جلوس بڑے معرکے کا تھا اور مس گلبرٹ کے دیکھنے کی خاص چیز لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ ہوٹل واپس آ کر میں نے اور ریاض نے اس کا ذکر مس گلبرٹ سے کرنا مناسب نہ سمجھا۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

فینسی ہیئر کٹنگ سیلون

آبادیوں کی ادل بدل نے ایک دن ایک اجنبی شہر میں چار حجاموں کو اکٹھا کر دیا۔ وہ ایک چھوٹی سی دکان پر چائے پینے آئے۔ جیسا کہ قاعدہ ہے' ہم پیشہ لوگ جلد ہی ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ لوگ بھی بہت جلد ایک دوسرے کو جان گئے۔ چاروں وطن سے لٹ لٹا کر آئے تھے۔ جب اپنی اپنی بپتا سنا چکے تو سوچنے لگے کہ اب کریں تو کیا کریں۔ تھوڑی تھوڑی سی پونجی اور اپنی اپنی کسبت ہر ایک کے پاس تھی ہی۔ صلاح ٹھہری کہ چاروں مل کر ایک دکان لیں اور ساجھے میں کام شروع کر دیں۔

یہ تقسیم کے آغاز کا زمانہ تھا۔ شہروں میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ دل جمعی سے کوئی کام نہ کر پاتے تھے۔ تمام کاروبار سرد پڑے ہوئے تھے' پھر بھی ان حجاموں کو دکان کے لئے کافی دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔ وہ کئی دن تک سرکاری دفتروں کے چکر کاٹتے رہے اور چھوٹے چھوٹے افسروں' کلرکوں اور چپراسیوں تک کو اپنی دکھ بھری کہانی بڑھا چڑھا کر سناتے رہے' آخر کار ایک افسر کا دل پسیج گیا اور اس نے ان چاروں کو شہر کے ایک اہم چوک میں ایک حجام ہی کی دکان دلا دی جو ہنگامہ کے دنوں میں دکان میں تالا ڈال کر بھاگ گیا تھا۔

یہ دکان زیادہ بڑی تو نہ تھی' پر اس کے مالک نے اس میں اچھا خاصا سیلونوں کا سا ٹھاٹھ باٹھ کر رکھا تھا۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ لکڑی کے تختے جوڑ اوپر سنگ مرمر کی لمبی لمبی سلیں جما' ٹیبل سے بنا لئے تھے۔ تین ایک طرف اور دو ایک طرف' ہر ایک ٹیبل کے ساتھ دیوار میں جڑا ہوا ایک بڑا آئینہ تھا اور ایک اونچے پایوں کی کرسی جس کے پیچھے لکڑی کا گدی دار اسٹینڈ لگا ہوا تھا۔ گاہک ٹھگنے قد کا ہوا تو اسٹینڈ کو نیچے سرکا لیا' لمبے قد کا ہوا تو اونچا کر لیا اور گدی پر اس کے سر کو ٹکا مزے سے داڑھی مونڈنے لگے۔

ضرورت کی یہ سب چیزیں مہیا تو تھیں مگر تھیں ذرا پرانے فیشن کی اور ٹوٹی پھوٹی سنگ مرمر کی سلوں کے کنارے اور کونے جگہ جگہ سے شکستہ تھے۔ آئینے تھے تو بڑے بڑے مگر ذرا پتلے' اس کی وجہ سے گاہکوں کو اپنی صورتیں چپٹی چپٹی سی نظر آتی تھیں۔ ایک آئینے کے بیچ میں کچھ اس طرح بال پڑ گیا تھا کہ دیکھنے والے کو اس میں بیک وقت ایک کے دو چہرے نظر آتے مگر دونوں ادھورے جو ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو کر مضحکہ خیز صورتیں پیدا کرتے۔ چنانچہ اس آئینے کے سامنے بیٹھنے والا اپنی گردن کو تین چار مرتبہ مختلف زاویوں

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

پر اونچا نیچا کئے بغیر نہ رہ سکتا۔ علاوہ ازیں اس دکان میں شمپو کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

لیکن ان حجاموں نے ان خامیوں کا زیادہ خیال نہ کیا۔ سچ یہ ہے کہ یہ بات ان کے وہم وخیال میں بھی نہ آسکتی تھی کہ ایک دن انہیں یہ سب سامان بنابنایا مفت مل جائے گا۔ اپنے وطن میں وہ اب تک بڑی گمنامی کی زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ ان میں سے ایک جو عمر میں سب سے بڑا تھا اور استاد کہلاتا تھا اس نے کچھ مستقل گاہک باندھ رکھے تھے جن کے گھر وہ ہر روز یا ایک دن چھوڑ کر ڈاڑھی مونڈنے جایا کرتا تھا' اس سے عمر میں دوسرے درجے پر جو حجام تھا اس نے ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر لاریوں کے اڈے سنبھال رکھے تھے۔ دن بھر کسبت گلے میں ڈالے داڑھی بڑھوں کی ٹوہ میں رہا کرتا اور دوسرے دو حجام نو عمر تھے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو روپے یومیہ پر کبھی کسی دکان میں تو کبھی کسی دکان میں کام کیا کرتے تھے۔ اب اچانک قسمت نے ان لوگوں کو زندگی میں پہلی مرتبہ آزادی اور خود مختاری کا یہ موقع جو بخشا تو وہ بہت خوش ہوئے اور دکان کو اور زیادہ ترقی دینے اور اپنی حالت کو سنوارنے پر کمر بستہ ہو گئے۔

سب سے پہلے ان لوگوں نے بازار سے ایک کوچی اور چونا لا کر خود ہی دکان میں سفیدی کی اور اس کے فرش کو خوب دھویا پونچھا۔ اس کے بعد نیلام گھر سے پرانے انگریزی کپڑوں کے دو تین گٹھر سستے داموں خریدے' ان میں سے قمیصوں اور پتلونوں کو چھانٹ کر الگ کیا' پھٹے کپڑوں کو سیا۔ جہاں جہاں پیوند لگانے کی ضرورت تھی وہاں پیوند لگائے۔ جن حصوں کو چھوٹا کرنا تھا ان کو چھوٹا کیا اور یوں ہر ایک نے اپنے لئے دو دو تین تین جوڑے تیار کر لئے۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو ایک ایک چادر کی بھی ضرورت تھی جسے بال کاٹنے کے وقت گاہک کے جسم پر گردن کے نیچے لپیٹنا ضروری ہوتا یہ ذرا مشکل کام تھا مگر ان لوگوں نے سایوں' جمپروں' کوٹوں اور پتلونوں کو پھاڑ کر جیسے تیسے دو چادریں بنا ہی لیں۔ کپڑوں کے اسی ڈھیر میں انہیں ریشم کا سیاہ پردہ بھی ملا جس پر سنہرے رنگ میں تتلیاں بنی ہوئی تھیں' کپڑا تھا تو بوسیدہ مگر ابھی تک اس میں چمک دمک باقی تھی۔ اسے احتیاط سے دھو کر دکان کے دروازے پر لٹکا دیا۔

اپنے اپنے اوزار سب کے پاس تھے ہی' ان کی تو فکر نہ تھی' البتہ تھوڑے تھوڑے داموں والی کئی چیزیں خریدی گئیں مثلاً سلولائڈ کے پیالے صابن کے لئے' داڑھی کے برش' پھٹکری' چھوٹی بڑی کنگھیاں' تولیے' دو تین تیز خوشبو والے دیسی تیلوں کی شیشیاں' ایک گھٹیا درجے کی کریم کی شیشی۔ ایک سستا سا پوڈر کا ڈبہ۔ علاوہ ازیں کباڑیوں کی دکانوں سے ولایتی لونڈر کی ٹیڑھی ترچھی خالی شیشیاں خرید ان میں سرسوں کا تیل بھر دیا۔

دکان کی آرائش کی طرف سے بھی یہ لوگ غافل نہ رہے۔ دکان کے پہلے مالک نے اس میں نہ جانے کس زمانے کی دقیانوسی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

مذہبی تصویریں لٹکا رکھی تھیں' ان کو اتار ڈالا اور ان کی جگہ دو ایک پرانے امریکن فلموں کے بڑے بڑے رنگ دار پوسٹر جو ایک کباڑیئے کے ہاں سے لے آئے تھے' دکان کے اندر دیواروں پر چسپاں کر دیئے۔ علاوہ ازیں دو تین قطعات اور ایک کلینڈر جس میں ملک کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے فوٹو تھے' دیوار پر ٹانگ دیئے۔ دکان کو جلد چلانے کے خیال سے انہوں نے اجرتیں بہت کم رکھیں۔ مروجہ اجرتوں سے نصف سے بھی کم' چنانچہ ایک گتے پر سیاہ روشنائی سے حجامت کی اجرتیں لکھوا کر اسے دیوار پر ایسی جگہ لٹکا دیا کہ گاہک جیسے ہی دکان میں داخل ہو اس کی نظر سب سے پہلے اسی پر پڑے۔

پہلے حجام نے اس دکان کا نام ''فینسی ہیئر کٹنگ سیلون'' رکھا تھا۔ یہ نام دکان کی پیشانی پر بہت جلی حروف میں انگریزی اور اردو دونوں میں لکھا ہوا تھا۔ ایک بابو سے ''فینسی'' کا مطلب معلوم کر کے بہت خوش ہوئے اور فیصلہ کیا کہ فی الحال اسی سے کام لیا جائے۔ کوئی نیا نام رکھتے تو اس کو مٹانے اور اس کو لکھوانے پر خاصی رقم خرچ کرنی پڑتی۔

جس روز باقاعدہ طور پر دکان کا افتتاح ہونا تھا' انہوں نے دوپہر کو بڑی محنت سے ایک دوسرے کی حجامتیں بنائیں' لمبی لمبی قلمیں رکھیں۔ گرم پانی سے خوب مل مل کر نہائے' صاف ستھری قمیض اور پتلونیں پہنیں' جن کو انہوں نے قریب کی ایک لانڈری سے دھلوا لیا تھا' بالوں میں تیل ڈالا' پٹیاں جمائیں' گردن اور چہرے پر ہلکا ہلکا پوڈر ملا اور یوں چاق و چوبند ہو اگربتیوں کی بھینی بھینی خوشبو میں' استروں کو' جن کی دھار وہ رات بھر سلوں پر تیز کرتے رہے تھے' ہتھیلیوں پر ہلکا ہلکا پٹکتے ہوئے خود کو خدمت خلق کے لئے پیش کر دیا۔

پہلی شام کچھ زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوئی۔ کل پانچ گاہک آئے' تین شیو اور دو بال کٹائی کے اور وہ بھی آدھ آدھ پاؤ پاؤ گھنٹے کے وقفے پر مگر یہ لوگ ذرا مایوس نہ ہوئے ہر گاہک کا پرجوش خیر مقدم کیا' اس کو بٹھانے سے پہلے کرسی کو دوبار جھاڑا پونچھا' اس کی ٹوپی پگڑی یا کوٹ لے کر احتیاط سے کھونٹی پر ٹانگ دیا۔ داڑھی کے بال نرم کرنے کے لئے دیر تک برش سے جھاگ کو پھینٹا بڑے نرم ہاتھ سے استرا چلایا' اور اگر احتیاط کے باوجود کہیں ہلکا سا چرکا لگ بھی گیا تو بڑی چابک دستی سے خون کو صابن کی جھاگ میں چھپائے رکھا تاوقتیکہ پوری داڑھی مونڈ لی اور پھر اطمینان سے پھٹکری پھیر کر زخم کو نیست و نابود کر دیا۔

ایک حجام نے اس خیال سے کہ بال کاٹنے میں زیادہ وقت لگایا تو گاہک خوش ہوتا ہے' ایک دفعہ بال تراش کر دوبارہ تراشنے شروع کر دیئے۔ آخر میں اس نے گاہک کے سر میں تیل ڈال یوں ہلکے ہلکے مزے مزے ملنا شروع کیا کہ گاہک کی آنکھوں میں سرور کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کو اپنی محبت کا صلہ جلد ہی مل گیا۔ گاہک نے اجرت کے علاوہ ایک آنہ اسے ''بخشش'' کے طور پر بھی دیا۔

اس شام کام کی کمی کے باوجود ان لوگوں نے دیر تک دکان کھلی رکھی' پھر دکان بڑھانے کے بعد بھی وہ دیر تک جاگتے رہے اور ہنسی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

مذاق کی باتیں کرتے رہے۔

دوسرے دن دفتروں میں کوئی تعطیل تھی۔ صبح کو آٹھ بجے ہی گاہک آنے شروع ہو گئے۔ دس بجے کے بعد تو یہ کیفیت ہو گئی کہ ایک گیا نہیں کہ دوسرا آ گیا' پھر بعض دفعہ تو تین تین کاریگر بیک وقت کام میں مصروف رہے۔ رات کو دکان بڑھا کر حساب کیا تو ہر ایک کے حصے میں تقریباً چار چار روپے آئے۔ تیسرے روز پھر مندا رہا مگر چوتھے روز پھر گاہکوں کی گہما گہمی دیکھ کر چاروں کو یقین ہو گیا کہ دکان قطعی طور پر چل نکلی ہے۔

یہ لوگ اس اجنبی شہر میں اکیلے ہی آئے تھے لہٰذا رات کو فرش پر بستر جما دکان ہی میں پڑ رہتے' ایک چھوٹی سی انگیٹھی' ایک کیتلی اور دو تین روغنی پرچ پیالیاں خرید لیں' صبح کو دکان ہی میں چائے بناتے اور ناشتہ کرتے' دوپہر کو تنور سے دو ایک قسم کے سالن اور روٹیاں لے آتے اور چاروں مل کر پیٹ بھر لیتے۔

دکان کو قائم ہوئے ابھی آٹھ دن ہوئے تھے کہ ایک دن سہ پہر کو ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا شریف صورت آدمی دکان میں داخل ہوا۔ اس کے کپڑے میلے تھے' مگر پھٹے ہوئے نہ تھے۔ سر پر اس وضع کی پگڑی جیسے منشی لوگ باندھا کرتے ہیں' پاؤں میں نری کا جوتا' داڑھی بڑھی ہوئی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس میں سفید بال زیادہ ہیں یا کالے' ایک گھٹیا درجے کی عینک لگائے ہوئے تھا جس کی ایک کمانی ٹوٹی ہوئی تھی اور اسے دھاگے سے جوڑ رکھا تھا۔ ان لوگوں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ پہلے تو وہ جھجکا مگر پھر بیٹھ گیا۔

ایک حجام نے پوچھا۔ ''شیو؟''

اس نے کہا۔ ''نہیں۔''

''بال؟''

''نہیں۔''

''اور پھر کیا چاہتے ہو؟'' استاد نے پوچھا۔

''مہربانی کر کے میرے ناخن کاٹ دو۔'' اس نے کہا۔

ناخن کٹوانے کے بعد بھی وہ شخص وہیں بیٹھا رہا۔ آخر جب ان لوگوں نے بار بار اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو اس نے کہنا شروع کیا۔

''صاحب میں ایک غریب مہاجر ہوں' میں اپنے وطن میں ایک بنئے کا منشی تھا اس کے ہاں راشن کارڈوں کی پرچیاں لکھا کرتا تھا

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اور حساب کتاب کا کام بھی کیا کرتا تھا۔ وطن چھوٹا تو یہ روزگار بھی چھوٹ گیا۔ اس شہر میں کئی دن سے بیکار پھر رہا ہوں' کئی جگہ نوکری کی تلاش میں گیا مگر ہر جگہ پہلے ہی سے منشی موجود تھے۔ اگر آپ مجھے کوئی کام دلوا دیں تو عمر بھر احسان نہ بھولوں گا۔ میں اس بیکاری سے ایسا تنگ آ گیا ہوں کہ جو کام بھی آپ مجھے بتائیں گے دل و جان سے کروں گا۔ حساب کتاب کے کام کے علاوہ میں کھانا پکانا بھی جانتا ہوں۔"

اس کی بات سن کر یہ لوگ تھوڑی دیر خاموش رہے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے صلاح مشورہ کرتے رہے۔ آخر استاد نے زبان کھولی:

"دیکھو میاں! ہم خود مہاجر ہیں اور نیا نیا کام شروع کیا ہے۔ تنخواہ تو ہم تم کو دینے کے نہیں' ہاں کھانا دو وقت ہمارے ساتھ کھاؤ بلکہ خود ہی پکاؤ کیونکہ تم ہمارے بھائی ہو۔ بس تھوڑا سا اپنا دکان کو جھاڑ پونچھ کرنا۔ جب کہیں تمہارا کام بن جائے تو شوق سے چلے جانا' ہم روکیں گے نہیں۔"

اس شخص نے بڑی خوشی سے ان کی یہ شرط منظور کر لی۔ شکریہ ادا کیا اور وہیں رہ پڑا۔

دوسرے دن بازار سے ایلومینیم کی ایک دیگچی اور کچھ اور برتن خریدے گئے اور دکان میں ہنڈیا پکنے کا سامان ہونے لگا مگر پہلے ہی روز ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ یہ شخص کھانا پکانا کچھ واجبی سا جانتا ہے تاہم اسے نکالا نہیں گیا۔ جھاڑنے پونچھنے میں وہ کافی چست تھا۔ بازار سے سودا بھی دوڑ کر لے آتا تھا' سچ یہ ہے کہ یہ ایک شخص جو آٹھ پہر غلامی کرنے کو تیار تھا' خط پتر لکھ سکتا تھا' حساب کتاب جانتا تھا' آقاؤں سے ادب سے پیش آتا تھا دو وقت کی روٹی پر کچھ مہنگا نہ تھا۔

یوں ہی دن گزرتے گئے' یہاں تک کہ دکان کھلے دو مہینے ہو گئے۔ اس عرصے میں دکان نے خاصی ترقی بھی کر لی تھی۔ ان لوگوں نے اس کے لئے کچھ نیا فرنیچر بھی خرید لیا تھا شمپو کے لئے بیسن وغیرہ بھی لگوا لیا تھا اور تھوڑی تھوڑی رقم ہر ایک نے بچا بھی لی تھی۔

تیسرا مہینہ ابھی آدھا ہی گزرا تھا کہ ایک روز صبح ہی صبح استاد کو اپنے بیوی بچوں کی یاد بے طرح ستانے لگی۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہ ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لینے لگا۔ تیسرے پہر اس کی اداسی اور بھی بڑھ گئی۔ شام ہونے سے پہلے ہی اس نے اپنے ساتھیوں سے چار دن کی چھٹی لی اور بیوی بچوں کو لے آنے کے لئے روانہ ہو گیا جو کوئی دو سو میل دور کسی شہر میں اپنے کسی رشتہ دار کے دروازے پر ناخواندہ مہمان بنے پڑے تھے۔

استاد نے چار دن میں لوٹ آنے کا پکا وعدہ کیا تھا اور بڑی بڑی قسمیں کھائی تھیں مگر واپسی میں پورے پندرہ دن لگ گئے۔ بیوی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

بچوں کو اسٹیشن کے مسافر خانے ہی میں چھوڑا اور خود دکان پر پہنچا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بیماریوں کی ایک طویل داستان سنائی جن میں اس کی بیوی بچے مبتلا تھے اور وہ تکلیفیں بھی بیان کیں جو بیوی بچوں کو یہاں لانے میں اسے اٹھانی پڑیں۔ آخر میں اس نے خرچ تنگی کا ذکر کیا اور روپیہ قرض مانگا۔

یہ بات تو ظاہر ہی تھی کہ جتنے روز استاد نے دکان میں کام نہیں کیا تھا اتنے روز کی آمدنی میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا اور پھر ایک کاریگر کے کم ہو جانے سے آمدنی بھی نسبتاً کم ہی ہوئی تھی مگر کچھ تو بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے اور کچھ مروت کی وجہ سے اس کے ساتھیوں نے اسے یہ بات نہ جتائی بلکہ ہر ایک نے اپنی اپنی جیب سے پانچ پانچ روپے نکال کر اس کے حوالے کر دیئے۔ پندرہ روپے استاد کی ضرورتوں کے مقابلے میں بہت ہی کم تھے مگر وہ چپ چاپ یہ رقم لے کر چلا گیا۔

دوسرے دن سے پھر چاروں آدمی کام کرنے لگے۔ اب تک تو ان کا یہ قاعدہ رہا تھا کہ گاہکوں سے اجرتیں لے کر اپنے پاس ہی جمع کرتے رہتے اور دکان کو بڑھاتے وقت ساری رقم اکٹھی کر کے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے۔ دکان کے رکھ رکھاؤ' ٹوٹ پھوٹ اور اپنے اور نوکر کے کھانے پینے پر جو رقم خرچ ہوئی اس میں وہ چاروں برابر کے ساجھی تھے مگر استاد نے دوسرے ہی دن باتوں میں اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ بھئی میں بیوی بچوں والا ہوں' پردیس کا معاملہ ہے' ان کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہوں' اس لئے رات کو میں ان کے پاس سویا کروں گا' دوسرے یہ کہ کھانا بھی میں ان کے ساتھ ہی کھایا کروں گا۔ آج سے تم کھانے پینے کے خرچ میں سے میرا نام نکال دو۔ اور بھائیو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ادھر تمہارے ساتھ خرچ کروں اور ادھر گھر پر بھی۔

اس کے ساتھی یہ بات سن کر خاموش ہو رہے۔ اب استاد دوپہر کو کھانے گھر چلا جاتا جو اس نے قریب ہی کہیں لے لیا تھا۔ دو گھنٹے بعد لوٹتا۔ رات کو بھی جلد دکان بڑھوا' اپنا حصہ لے چلتا بنتا۔

کوئی ہفتہ بھر تک یہی سلسلہ رہا مگر اس کے بعد استاد کے تینوں ساتھیوں کے طور ایک دم سے بدل گئے۔ اب وہ اکثر آپس میں کھسر پھسر کرتے اور چپکے چپکے استاد کی حرکات و سکنات کو غور سے دیکھتے رہتے خصوصاً اس وقت جب حجامت کے بعد گاہک سے استاد اجرت وصول کرتا وہ کن انکھیوں سے دیکھتے رہتے کہ استاد پیسے کس جیب میں ڈالتا ہے۔

ایک رات جب استاد دکان سے رخصت ہوا تو اس کے تینوں ساتھی دیر تک جاگتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ انہیں استاد کے خلاف کئی شکایتیں تھیں جنہیں وہ اب تک بڑے صبر سے درگزر کرتے رہے تھے مگر اب' جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ استاد روپے پیسے کے معاملے میں بھی کھرا نہیں ہے تو وہ صبر نہ کر سکے۔ انہوں نے استاد کی اس دھوکہ بازی کی روک تھام کے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

لئے بہت سی تجویزیں سوچیں مگر کسی پر دل نہ جما' آخر بڑی رات گئے' ایک ترکیب ان کے ذہن میں آئی اور وہ اطمینان سے سو گئے۔

دوسرے دن جب استاد دکان پر آیا تو ان تینوں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا' ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

''میں نے خود اپنی ان گناہگار آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات تم نے گاہک سے چونی لے کر اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی حالانکہ سارے پیسے تم اپنی قمیص کی جیب میں ڈالا کرتے ہو۔''

دوسرے نے کہا ''تم بکتے ہو۔ خود پکے بے ایمان ہو۔ پرسوں گاہک نے تمہیں ایک دونی اور دو اکنیاں دی تھیں۔ ایک دونی اور ایک اکنی تو تم نے جیب میں ڈال لی اور ایک اکنی چالاکی سے انگلیوں کے بیچ ہی میں دبائے رکھی۔''

اس مرتبہ تیسرے نے کہا۔ ''ارے میاں لڑتے جھگڑتے کیوں ہو' جو ہوا اس کو تو کرو معاف' آئندہ کے لئے تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی چاہے بھی تو اس قسم کا دھوکا نہیں کر سکے گا' وہ یہ کہ دروازے کے قریب میز کرسی ڈال دو۔ کرسی پر تو منشی کو بٹھا دو اور میز پر ایک صندوقچی رکھ دو جس کے ڈھکنے میں سوراخ ہو۔ بس گاہک حجامت کے پیسے اس صندوقچی میں خود ہی ڈال دیا کرے۔ ہم میں سے کوئی خود ایک پائی بھی وصول نہ کرے۔ منشی مفت میں روٹیاں بٹورا کرتا ہے اس سے یہ کام کیوں نہ لیا جائے۔ یہ اس بات کا بھی دھیان رکھے گا کہ کوئی شخص بغیر اجرت دیئے نہ چلا جائے یا کھوٹے سکے نہ دے دے۔ پھر چاہو تو منشی ساتھ ساتھ کاپی میں رقمیں بھی لکھتا جائے گا۔ آخر کس لئے رکھا ہے اس کو!''

اس پر پہلے نے کہا۔ ''بہت ٹھیک۔ مجھے منظور ہے لیکن یہ نہیں مانے گا' بے ایمانی جو ٹھہری جی میں۔''

اس پر دوسرے نے بھنا کر کہا۔ ''کیوں نہ مانوں گا۔ اچھا ہے' ایسا ہو جائے' جھوٹ سچ آپ ظاہر ہو جائے گا۔''

تیسرے نے استاد سے پوچھا۔ ''کیوں استاد تمہاری کیا رائے ہے؟''

استاد کچھ نہ کہہ سکا۔ نہ اس تجویز کے حق میں نہ اس کے خلاف۔ اس نے خاموش ہی رہنے میں مصلحت سمجھی۔

دوسرے ہی دن سے اس تجویز پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ ہر روز رات کو دن بھر کی آمدنی کا باقاعدہ حساب ہوتا اور اس میں سے ہر ایک کو پورا پورا حصہ ملتا۔ چار دن نہ گزرنے پائے تھے کہ اس میں اتنی ترمیم اور کر دی گئی کہ آمدنی کا حصہ بجز اروز کے بجائے ہفتہ کے ہفتہ کیا جائے' اس طرح ہر شخص کو معقول رقم مل سکے گی۔ ہر روز جو تھوڑے تھوڑے پیسے ملتے ہیں ان سے تو کسی کی بھی پوری نہیں پڑتی۔ ہاں اگر ہفتہ ختم ہونے سے پہلے ہی کسی ساجھے دار کو کچھ رقم کی ضرورت پڑ جائے تو وہ منشی سے پرچی لکھوا کر پیشگی لے سکتا ہے۔

استاد نے اس کی بھی مخالفت نہ موافقت کی۔ وہ خاموش رہا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

مگر استاد اپنی خاموشی کو زیادہ دن تک قائم نہ رکھ سکا۔ ایک دن وہ صبح ہی صبح دکان پر پہنچا اور چھوٹے پر استرے کی دھار گھستے ہوئے ایک دم اپنے ساتھیوں پر برس پڑا:

''بس جی بس۔ میں تم لوگوں کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔ انصاف کا تو آج کل زمانہ ہی نہیں ہے۔ تم نے گدھے اور گھوڑے کو برابر سمجھ لیا ہے۔ تم میں سے نہ تو کوئی میرے جتنا پرانا کاریگر ہے اور نہ ہنر مند' پھر داڑھی مونڈنے میں میرا ہاتھ ایسا ہلکا ہے کہ ہر شخص مجھی سے داڑھی منڈانا چاہتا ہے۔ میں ایسے کئی آدمیوں کو جانتا ہوں کہ جب میں کام میں مصروف ہوتا ہوں تو وہ دکان میں آتے ہی نہیں بلکہ باہر ہی باہر ٹہلتے رہتے ہیں کہ کہیں دوسرے سے داڑھی نہ منڈانی پڑ جائے۔ پھر جہاں مجھے خالی ہوتے دیکھتے ہیں' لپک کر میری کرسی پر آ بیٹھتے ہیں۔ منشی اس بات کا گواہ ہے کہ میری روز کی کمائی تم لوگوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اب تم ہی انصاف کرو کہ جب میں ہنر میں بھی تم سے بڑھ کر ہوں اور گاہک بھی زیادہ میرے ہی پاس آئیں۔ کام بھی زیادہ میں ہی کروں' کمائی بھی زیادہ میری ہی ہو' تو پھر اس کی کیا وجہ کہ مجھے بھی اتنا ہی ملے جتنا تم سب کو ملتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم لوگ میرا حصہ مجھے دے دو اور دکان خود سنبھال لو۔ اگر نہیں تو کام کے لحاظ سے ہر ایک کی تنخواہ مقرر کر دو۔ آمدنی میں سے تنخواہیں نکال کر جتنی رقم بچے گی وہ ہم چاروں آپس میں برابر بانٹ لیا کریں گے۔ اگر تم کو یہ بات منظور ہو تو اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں' ورنہ صاحب ایسی دکان اور ایسے ساجھے دار کو میرا دور ہی سے سلام۔ بندہ کہیں اور قسمت آزمائے گا۔ جتنے پیسے مجھے یہاں ملتے ہیں اس سے زیادہ تو میں آنکھ بند کر کے جس سیلون میں چلا جاؤں' لے سکتا ہوں۔''

استاد کی یہ تقریر اس کے تینوں ساجھیوں نے بہت غور اور توجہ سے سنی۔ اس میں کچھ باتیں ٹھیک بھی تھیں مثلاً ہنر مندی میں استاد واقعی ان تینوں سے کہیں بڑھ کر تھا مگر اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا کہ وہ ساجھے داری میں اپنی ہنر مندی کا ناجائز دباؤ ڈالے۔ جب ساجھا ہی ٹھہرا تو ہنر کی کون پروا کرتا ہے۔ ساجھا ایک کنبہ کی طرح ہے جس میں کمانے والے فرد اپنی بساط کے مطابق کنبہ کی پرورش کرتے ہیں۔ کم و بیش کمانے والوں یا نہ کمانے والوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاتی اور یہ استاد کی حد درجہ کم ظرفی ہے کہ وہ زیادہ ہنر مند اور کم ہنر مند کا سوال اٹھا کر ساجھے میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہے۔

استاد کے دکان سے قطع تعلق کر لینے کا مطلب بھی وہ خوب سمجھتے تھے۔ اس کا مطلب تھا ایک بھاری رقم بطور معاوضہ استاد کو دینا اور یہ رقم ان کے پاس نہ تھی' دوسری صورت یہ تھی کہ یہ تینوں دکان سے علیحدہ ہو جاتے مگر علیحدہ ہو کر جاتے تو کہاں جاتے۔ نہ کام ہی میں ایسی مہارت تھی کہ دوسری جگہ آسانی سے نوکری مل سکتی اور نہ سر چھپانے ہی کا کوئی ٹھکانہ تھا لہٰذا گلے شکوے تو انہوں نے بہت کئے مگر

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

انجام کار انہوں نے استاد کی تنخواہوں والی شرط مان لی۔ تنخواہیں مقرر کرنے کے مسئلے نے خاصا طول کھینچا' آخر بحث وتمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ استاد کو ڈیڑھ سو روپے ماہوار ملیں اور اس سے نچلے کاریگر کو ایک سو بیس' تیسرے کو سوا اور چوتھے کو اسی۔ ساتھ ہی یہ بھی قرار پایا کہ تنخواہوں کا حساب مہینے کے مہینے ہوا کرے۔

استاد دل میں بہت خوش تھا کہ بالآخر اس نے اپنا تفوق اپنے ساتھیوں پر قائم کر لیا۔ ادھر اس کے ساتھی کچھ دن پژمردہ رہے مگر پھر مہینے کے بعد ایک معقول رقم ہاتھ آنے کے خیال نے رفتہ رفتہ ان کا غم دور کر دیا اور وہ بڑی بے تابی سے مہینہ کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

خدا خدا کر کے جب مہینہ ختم ہوا اور تنخواہ کا دن آیا تو یہ دیکھ کر ان چاروں حجاموں کی حیرانی اور مایوسی کی کوئی حد نہ رہی کہ پچھلے مہینے دکان سے جو آمدنی ہوئی تھی اس میں سے ان کی آدھی آدھی تنخواہ بھی نہیں نکلتی تھی۔ ان لوگوں کو سب سے زیادہ اچنبھا اس بات پر ہوا کہ دکان پہلے سے زیادہ ترقی پر تھی۔ گاہک بھی پہلے سے زیادہ آ رہے تھے مگر اس کے باوجود انہیں جو رقم ملی اس کا یومیہ ابتدائی دنوں کے یومیہ سے بھی کم تھا۔ منشی کے کھاتے کی جانچ پڑتال کی گئی مگر اس نے پائی پائی کا حساب بتا دیا۔ ہر شخص کی روز کی کمائی۔ چاروں کی روز کمائی' ہفتہ کی کمائی' مہینہ کی کمائی۔ الگ الگ بھی اور مشترکہ بھی پورا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔ کیا مجال جو کوئی شخص اس حساب میں غلطی نکال سکے۔

قاعدہ ہے کہ روپیہ باہر سے آنے والا ہو یا بندھی ہوئی تنخواہ ہو تو انسان خواہ مخواہ اپنا خرچ بڑھا لیتا ہے' یا اس کے بھروسے پر قرض لے لیتا ہے۔ ان میں سے دو حجام ایک استاد اور ایک اور اسی امید پر محلے کے بعض دکانداروں کے مقروض ہو گئے۔ قرض خواہ کے تقاضے کا ڈر تو تھا ہی' آئندہ قرض کا دروازہ بند ہو جانے کا بھی احتمال تھا۔

اس روز رات کو جب وہ دکان بڑھانے لگے تو حد درجہ دل شکستہ اور مایوس نظر آتے تھے۔ سب سے زیادہ مسکین پن منشی کے چہرے سے ٹپک رہا تھا۔ ہر چند اس کی کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی' پھر بھی اپنے آقاؤں کی اس مصیبت میں وہ برابر کا شریک نظر آتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ان کے قریب آیا اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں جھجک جھجک کر کہنے لگا:

''آپ لوگوں نے میرے ساتھ جو بھلائی کی ہے میں عمر بھر اسے نہیں بھول سکتا آج آپ کو پریشان دیکھ کر میرا دل بے حد کڑھا ہے۔ اب میں آپ کو سچی بات بتاتا ہوں وہ بات یہ ہے کہ جب میں اپنے وطن میں بنئے کے ہاں نوکر تھا تو ہر مہینے تنگی ترشی کر کے اپنی تنخواہ میں سے کچھ روپے بچا لیا کرتا تھا۔ چند مہینوں میں خاصی پونجی جمع ہو گئی' وطن سے چلتے وقت ساتھ لیتا آیا اور یہاں ڈاک خانے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

میں جمع کرادی تا کہ آڑے وقت میرے کام آئے۔۔۔۔۔۔مگر اب آپ کو پریشان دیکھ کر دل نے گوارا نہ کیا کہ میرے پاس روپیہ ہو اور میں اسے اپنے بھائیوں سے چھپائے رکھوں۔۔۔۔۔۔اگر آپ کہیں تو کل میں ڈاک خانے سے اپنا روپیہ نکال لاؤں۔آپ اسے کام میں لائیے جب دکان کی آمدنی بڑھ جائے تو مجھے لوٹا دینا۔ میں کوئی نفع نہیں لوں گا۔''

''تمہارے پاس کتنے روپے ہیں؟'' حجاموں نے پوچھا۔ کچھ تامل کے بعد منشی نے دھیرے سے کہا۔''سو روپے''

دوسرے دن منشی ڈاک خانہ سے سو روپے نکال لایا اور ان سے الگ الگ رسید لے کر وہ ان میں تقسیم کر دی۔ اس طرح ان کی پریشانیاں کسی قدر دور ہو گئیں مگر اگلے مہینے دکان میں اس سے بھی کم آمدنی ہوئی۔ اب تو یہ لوگ بہت گھبرائے منشی نے بڑی چھان بین کے بعد آمدنی کم ہونے کی یہ وجہ دریافت کی کہ چونکہ چوک کے دوسرے ہیئر کٹنگ سیلونوں نے بھی ان کی دیکھا دیکھی یا مندے کی وجہ سے اپنے ہاں کی اجرتیں کم کر دی ہیں' اس لئے وہ گاہک جو محض کفایت کے خیال سے ان کے ہاں لپک آئے تھے اب سب سیلونوں میں بٹ گئے ہیں۔

ان لوگوں نے منشی کی بات کا کچھ یقین کیا کچھ نہ کیا' بہر حال وہ اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتے تھے چونکہ منشی اب کے اپنے ایک بھائی سے سو روپے قرض لے آیا تھا' اس لئے ان لوگوں کو زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑی۔ تیسرے مہینے صورتحال کچھ کچھ سدھر گئی اور انہوں نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا مگر چوتھے مہینے آمدنی ایک دم پھر کم ہو گئی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ اس دفعہ منشی نے ان کی امداد کرنے سے بالکل معذوری ظاہر کر دی۔ اس نے کہا:

''بھائیو! اگر میرے پاس روپیہ ہوتا یا میں کہیں سے لا سکتا تو آپ کے قدموں میں نچھاور کر دیتا لیکن میرے پاس جو کچھ تھا' میں پہلے ہی آپ کی نذر کر چکا ہوں۔''

اس روز تو انہوں نے زیادہ اصرار نہ کیا مگر دوسرے دن صبح ہوتے ہی چاروں کے چاروں نے پھر منشی کو آ گھیرا' جب ان کی خوشامدوں اور التجاؤں کی حد نہ رہی تو منشی نے کہا۔''اچھا بھائیو! شام تک صبر کرو۔''

شام ہوئی تو وہ چاروں حجاموں سے یوں مخاطب ہوا۔

''صاحبو! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دکان کی حالت کبھی نہیں سدھرے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اپنی اپنی جو تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں' آمدنی سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ دکان چلے اور آپ کی پریشانیاں دور ہوں تو سب سے پہلے آپ اپنی اصلاح کیجئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ سب اپنے اپنے اخراجات کو کم کیجئے اور دوسرے یہ کہ آپ اپنی اتنی ہی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

تنخواہیں مقرر کیجئے جتنی عام طور پر اس قسم کے سیلونوں میں ملازموں کو دی جاتی ہیں۔ اگر آپ میری تجویز منظور کریں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں' بلکہ اس بات کا ٹھیکہ لیتا ہوں کہ ہر مہینے آپ کو پوری تنخواہ ملا کرے گی۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر آپ میرے کہنے پر چلیں تو آپ کو ہر مہینے کی پہلی کو پیشگی ہی تنخواہ مل جایا کرے گی۔ یہ روپیہ کہاں سے آئے گا' اس سے آپ کو مطلب نہیں۔ چاہے میں چوری کروں' ڈاکہ ڈالوں۔ مگر آپ کو تنخواہ پیشگی ہی ملتی رہے گی۔ آپ نے میرے ساتھ ایسی بھلائی کی ہے کہ میں عمر بھر بھول نہیں سکتا' اور بھائیو! اگر آپ کو یہ شرط منظور نہ ہو تو آپ جانیں اور آپ کا کام میں آپ کے لئے روپے کا بندوبست نہیں کر سکتا۔''

''اچھا بتاؤ تو تم ہماری کیا کیا تنخواہیں مقرر کرتے ہو؟''

منشی نے جواب دیا۔ ''گستاخی معاف میں زیادہ سے زیادہ آپ کو اسی روپے دے سکتا ہوں۔ دوسرے نمبر والے کو ساٹھ' تیسرے کو پچاس اور چوتھے کو چالیس۔ اگر آپ یہ تنخواہیں منظور کریں تو ابھی جا کر' چاہے مجھے دگنے تگنے سود پر قرض ہی لینا پڑے' آپ سب کے لئے دو سو تیس روپے بطور پیشگی تنخواہ کے لے آتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ ہر مہینے اسی طرح آپ کو پیشگی تنخواہ ملا کرے گی یاد رکھو میرے دوستو یہ تنخواہیں کسی بڑے ہیئر کٹنگ سیلون کے ملازموں کی تنخواہوں سے کم نہیں ہیں۔ آپ لوگ جا کر خود دریافت کر سکتے ہیں البتہ اپنے ملازموں کی پیشگی تنخواہ دینا صرف اسی سیلون کی خصوصیت ہوگی۔۔۔۔۔۔'' منشی کی یہ تقریر سن کر چاروں حجام گم سے رہ گئے اور کسی نے اس کی بات کا جواب نہ دیا مگر یہ خاموشی بڑی صبر آزما تھی۔ انہوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر گردنیں جھکا لیں۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

بردہ فروش

پنجاب کے اضلاع میں ایسے کئی چھوٹے چھوٹے قصبے ہیں جن کی آبادی تو چند سونفوس سے زیادہ نہیں مگر جن کو ریلوے اسٹیشن ہونے کو شرف حاصل ہے۔ ان اسٹیشنوں پر عموماً ایک ویرانی کی سی کیفیت رہتی ہے کیونکہ میل اور ایکسپریس کی قسم کی گاڑیاں تو یہاں ٹھہرنا کسر شان سمجھ کر آندھی کے تیز جھکڑ کی طرح گزر جاتی ہیں' البتہ سست رفتار گاڑیاں تو یہاں چار چار پانچ پانچ گھنٹے کے بعد ان اسٹیشنوں پر آ کے رکتی اور گھڑی دو گھڑی کے لئے ان کی رونق بڑھ جاتی ہے مگر ان کے جاتے ہی یہاں پھر الو بولنے لگتا ہے۔

جمال پورہ پنجاب کا ایک ایسا ہی ریلوے اسٹیشن ہے۔ اسوج کا مہینہ' سہ پہر کا وقت۔ چار بجے ہیں۔ ٹھیک سینتالیس منٹ کے بعد ایک ڈاؤن پسنجر ٹرین آنے والی ہے۔ اسٹیشن پر چہل پہل شروع ہوگئی ہے۔ اسٹیشن کا بابو جو دیر سے نہ جانے کہاں غائب تھا' اب بار بار اپنے کمرے سے نکلتا اور اندر جاتا ہوا دکھائی دینے لگا ہے۔ آس پاس کے گاؤں کے جو مسافر گاڑی سے گھنٹوں پہلے آ کے اسٹیشن کی ڈیوڑھی میں یا ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے آس پاس لمبی تانے پڑے تھے انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھ بیٹھے ہیں اور اسٹیشن کے نل کے ارد گرد بڑی فراغت کے ساتھ جو شاید صرف دیہاتوں ہی کو نصیب ہوتی ہے' ہاتھ منہ دھونے میں مصروف ہیں۔ ایک خوانچے والا بھی پلیٹ فارم پر ہانک لگاتا پھرنے لگا ہے۔ ایک سوکھا ہوا کھجلی کا مارا کتا اس کی جھلنی کی زد سے دور دور رہ کر اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ جس جگہ وہ خوانچہ لگاتا ہے کتا بھی وہیں اس سے گز سوا گز پرے ہٹ کے بیٹھ جاتا ہے۔

اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کے باہر پلیٹ فارم کی واحد برانچ پر دو عورتوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔ ان میں سے ایک ادھیڑ عمر ہے اور ایک جوان۔ ادھیڑ ایک گٹھڑی سر کے نیچے رکھے لیٹی ہوئی ہے اور جوان اس کے پائنتی بیٹھی ہے۔ ادھیڑ عمر اپنی سیدھی سادی وضع اور کپڑوں سے صاف دیہاتن معلوم ہوتی ہے مگر جوان کا لباس نچلے طبقے کے شہری لڑکیوں کا سا ہے جو کسی میلے یا شادی بیاہ میں آئی ہوں۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی رچی ہوئی' بڑے بڑے پھولوں والی اودے رنگ کی چھینٹ کی شلوار اور قمیص۔ سر پر ململ کا دوپٹہ سرخ رنگا ہوا جس کے کناروں پر جھوٹا سنہری گوٹا لگا ہوا۔ ناک میں سونے کی کیل' کان میں چاندی کی بالیاں ہونٹوں پر دنداسے سے سیاہی مائل گہرا سرخ رنگ چڑھا ہوا' تیکھے نقش' نظر میں حد درجے کی شوخی اور بے باکی' جوانی اس کے انگ انگ سے امڈی پڑتی ہے۔ وہ بازو

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

پھیلائے دونوں ہتھیلیوں کو گدی کے نیچے رکھے بنچ سے ٹیک لگائے بیٹھی ہے اور ہر آتے جاتے کو غور سے دیکھ رہی ہے' لیکن چونکہ پلیٹ فارم پر سواریاں کم ہیں اس لئے اسٹیشن کے کوے اور کتے ہی ہر پھر کر اس کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔

اسٹیشن کا بابو سر پر تیل چپڑے پٹیاں جمائے منہ میں سگریٹ دبائے اپنے کمرے سے باہر نکلا اور جوان لڑکی پر ایک چھچھلتی ہوئی نظر ڈال کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ لڑکی اسے دیکھتے ہی بنچ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور گنوار پنے سے مسکراتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔

''بابو صاحب! ایک سگرٹ اور پلا دو۔''

بابو نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا۔

''بھاگ جاؤ' سگرٹ نہیں ہے۔''

''پلا بھی دو بابو صاحب۔ ابھی ابھی سو کے اٹھی ہوں۔ اللہ کی سوں بڑی طلب لگی ہوئی ہے۔''

مگر بابو نے کچھ جواب نہ دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا پلیٹ فارم پر دور نکل گیا۔ لڑکی کھسیانی سی ہو کر کچھ دور اس کے پیچھے پیچھے چلی۔ راستے میں اسے ایک کتا لیٹا ہوا نظر آیا اور اس نے شرارت سے اس کی دم پر پاؤں رکھ دیا۔ کتا ہڑبڑا کر بھونک پڑا اور لڑکی خوانچے والے پر گرتے گرتے بچی۔ پل بھر کے بعد خوانچے والے سے کہہ رہی تھی: ''خوانچے والے! کیا ہے تیرے پاس؟''

''پکوڑے۔ گڑ کی ریوڑیاں۔''

''ہشت!''

''جھاڑی بوٹی کے بیر۔''

''ہشت!''

''مونگ پھلی' میٹھے چنے۔''

''لا ایک آنے کی مونگ پھلی دے۔''

مونگ پھلی اپنے دوپٹے کے پلو میں ڈلوا کے وہ واپس چل پڑی۔

''بی بی پیسے تو دیتی جاؤ۔''

''کیسے پیسے؟''

''مونگ پھلی جو دی ہے اکنی کی۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''اکنی تو میرے پاس نہیں ہے۔''

''تو لاؤ روپے کا بھان دے دوں۔''

''روپیہ بھی نہیں ہے۔''

''تو پھر مونگ پھلی پھیر دو۔''

''واہ۔ وہ تو میں نہیں پھیرنے کی۔''

خوانچے والے کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور قریب تھا کہ وہ چلا اٹھتا' مگر عین اس وقت اس لڑکی کے ساتھ والی ادھیڑ عورت آ پہنچی' وہ ایک ہی نظر میں معاملے کو تاڑ گئی۔

''گھبراؤ نہیں بھیا' کتنے پیسے ہیں تمہارے؟''

''چار۔''

''یہ لو۔''

اور وہ لڑکی کا بازو پکڑ کر اسے وہاں سے لے گئی۔

''ریشماں۔'' اس نے پیار اور ملامت کے ملے جلے لہجے میں کہا۔ ''میں نے بہت دفعہ تمہیں سمجھایا ہے کہ پیسہ پاس نہ ہو تو کوئی چیز نہ خریدا کرو۔''

''اونہہ۔'' ریشماں نے الھڑ پن سے کہا۔ ''دکاندار کو پیسے تو مل ہی جاتے ہیں مائی جی۔''

کوئی گھنٹہ بھر کے بعد وہ دونوں عورتیں تیسرے درجے کے ایک زنانے ڈبے میں سفر کر رہی تھیں۔ ڈبا سواریوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مگر انہوں نے جیسے تیسے ایک کونے میں جگہ حاصل کر ہی لی تھی۔ دونوں سر جوڑ کر چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔

مائی جی کہہ رہی تھی:

''اور پھر ریشماں یہ چودھری ہے بڑا کھاتا پیتا۔ اس کے پاس پہلی بیوی کا بہت سا زیور ہے جو اس نے کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ تمہیں الھڑ پن کی باتیں چھوڑ کر اس کا دل مٹھی میں لینا ہوگا۔ خوب اس سے پیار محبت کی باتیں کرنا' حقہ خوب تازہ کر کے بھرا کرنا رات کو ہاتھ پاؤں داب دیا کرنا' بس اس کو تم پر بھروسہ ہو جائے گا اور وہ گھر کی کنجیاں تمہارے حوالے کر دے گا۔ اس طرح جب دو تین مہینے میں ساری چیزیں تمہارے قبضے میں آ جائیں گی تو میں تمہیں اس کے گھر سے نکال لے جاؤں گی۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''اس بڈھے کھوسٹ کرم دین کے بارے میں بھی تو تم یہی کہتی تھیں کہ ہے تو کنجوس مگر بڑا پیسے والا ہے۔ خاک بھی نہ نکلا کم بخت کے گھر سے۔''

''اس نے سب کو دھوکا دیا۔ بڑا فریبی تھا۔ اچھا ہوا میں نے جلد ہی اس کے گھر سے تمہیں نکال لیا۔''

''کم بخت میری کیسی چوکسی کرتا تھا۔ محلے والوں سے الگ کہہ رکھا تھا اور ایک بڑھیا دیکھ بھال کے لئے الگ رکھ چھوڑی تھی۔ ایک دن مجھ پر شک ہوا' مجھے کوٹھڑی کے اندر لے گیا۔ چھوی دکھا کے کہنے لگا۔ ''یاد رکھ تو نے کبھی بھاگنے کی کوشش کی تو اس چھوی سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ بس اسی دن سے مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔''

''خیر اس سے تو خدا نے تمہارا پیچھا چھڑا دیا۔ مگر یہ چوہدری ہے بڑا نمازی اور پرہیزگار۔ جب سے بیوی مری ہے' گھر بسانے کے سوا اور کوئی فکر ہی نہیں۔''

''زیادہ بڈھا تو نہیں؟''

''نہیں ایسا بڈھا نہیں۔''

''کیا عمر ہو گی بھلا؟''

''یہی کوئی پچاس پچپن برس۔''

رات کے کوئی پونے بارہ بجے گاڑی اس قصبے کے اسٹیشن پر رکی۔ جہاں ان عورتوں کو جانا تھا۔ گاڑی سے اتر کر اسٹیشن کے مسافر خانے میں پہنچیں اور رات وہیں گزاری۔ صبح کو اندھیرا ہی تھا کہ مائی جمی نے ریشماں سے اس کا سرخ دوپٹہ لے لیا اور اسے اوڑھنے کے لئے ایک سفید چادر دے دی تاکہ وہ بھی دیہاتن معلوم ہو' نئے گاؤں کا معاملہ تھا۔ احتیاط شرط تھی' جتنے کم لوگوں کی نظر ان پر پڑے اتنا ہی اچھا۔ دونوں نے لمبے لمبے گھونگھٹ نکال لئے اور پیدل قصبے کی طرف چل دیں۔

ریشماں کو چودھری گلاب کے گھر میں رہتے ہوئے پندرہ بیس روز ہو چکے تھے مگر وہ ابھی تک نہیں سمجھ سکی تھی کہ اس نئے گھر میں اسے کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ پہلے دن جب وہ آئی تھی تو اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ نہ جانے اسے کن حالات سے واسطہ پڑے گا۔ چودھری کس قماش کا آدمی ہے۔ کرم دین کی طرح ظالم تو نہیں' اس سے زیادہ کام تو نہیں لے گا۔ اسے مارے پیٹے گا تو نہیں۔ اس کی رکھوالی کون لوگ کریں گے۔ تاہل کی قربتیں کن ناخوشگوار فرائض کی حامل ہوں گی اور کیا ایک مرتبہ پھر وہ زندگی کو مسلسل فریب بنائے رکھنے میں کامیاب ہو سکے گی؟ مگر چند ہی روز میں اس کے یہ سارے اندیشے غلط ثابت ہوئے اور اس میں پھر اس کی فطری چونچالی اور

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

الھڑپن پیدا ہوگیا۔

چودھری گلاب ایک سیدھا کم گو اور بے آزار انسان تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی عمر ساٹھ برس سے کم نہ تھی مگر وہ دیہاتی زمینداروں کی طرح لمبا چوڑا تھا اور ابھی اس کے ہاتھ پاؤں خوب مضبوط تھے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی عمر کا وہ دور شروع ہو گیا تھا جب جوش سرد پڑ جاتا ہے اور احساس کو بیدار کرنے کے لئے کچوکوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمل کی جگہ ذہنی آسودگی اور اطمینان قلب لے لیتے ہیں اور لذت کشی میں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو اسے تخیل پورا کر دیتا ہے۔

پھر چونکہ وہ نمازی اور پرہیز گار تھا اس لئے ہمیشہ صاف ستھرا رہتا تھا۔ ریشماں کو اس کے کپڑوں اور جسم کے کسی حصے سے بدبو نہیں آتی تھی' اس کی سفید لمبی داڑھی تھی جس میں وہ ہر روز کنگھی کیا کرتا تھا۔ سر پر اکا دکا ہی بال رہ گئے تھے۔ آنکھوں میں صبح شام سرمہ لگاتا۔ اس کے طور طریقوں میں ایک عجیب طرح کا بھولا پن تھا جس نے اسے ایک پیارا پیارا بڈھا بنا دیا تھا۔ پہلی بیوی سے اس کی دو بیٹیاں تھیں جو مدت ہوئی بیاہی جا چکی تھیں' اولاد نرینہ کوئی نہ تھی جس کی اسے آج بھی حسرت تھی۔

ریشماں اکثر اس سے الھڑپن میں پوچھتی۔

''چوہدری تم نماز کے بعد کیا دعا مانگا کرتے ہو؟''

چوہدری مسکرانے لگتا۔

''اللہ سے بیٹا مانگتے ہو؟''

چوہدری ہنس پڑتا۔

''یہ بھی تو دعا مانگا کرو کہ ریشماں کی بڑی سی عمر ہو۔''

اس کے جواب میں چودھری گلاب بڑے پیار سے اس کا گال تھپتھپا دیتا۔

ریشماں کو دو وقت کی ہنڈیا کے سوا اور کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ اپلے تھاپنا جھاڑ و دینا' گائے بھینسوں کی سانی' دودھ دوہنا' یہ سب کام گاؤں کی ایک بڑھیا کیا کرتی تھی جسے چوہدری معاوضے میں اجناس اور سبزیاں دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی کسان تھے جو چوہدری کے کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ خود چوہدری بھی زیادہ تر کھیتوں ہی پر رہا کرتا۔ اس نے پہلے ہی دن سے گھر کا سارا انتظام ریشماں کے سپرد کر دیا تھا چنانچہ وہ ہنڈیا روٹی سے فارغ ہو کر دن بھر مزے سے پلنگ پر پڑی بڑھیا پر حکم چلایا کرتی۔

کرم دین کے گھر میں اور اس گھر میں کتنا فرق تھا۔ وہاں وہ سچ مچ زر خرید لونڈی تھی اور یہاں گھر کی مالکہ۔ وہاں وہ خود اپنی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

نظروں میں ذلیل تھی اور یہاں سب لوگ اس کا ادب کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ خود چودھری بھی اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

ریشماں کی عمر پانچ برس کی تھی کہ کوئی شخص اسے شہر کے ایک محلے سے اٹھا لے بھاگا تھا۔ اس نے مختلف دیہات میں پرورش پائی تھی یہاں تک کہ اس کی عمر شادی کے لائق ہوگئی۔ ایک عورت نے اپنے آپ کو اس کی چچی ظاہر کر کے ایک کھاتے پیتے گھر میں اچھی قیمت پر اسے فروخت کر ڈالا۔ پہلے پہل وہ جس شخص کے پلے پڑی وہ تھا تو کم عمر مگر بالکل سودائی تھا جس سے کوئی باپ اپنی بیٹی' بیاہنے کو تیار نہ تھا۔ سودائی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حد درجہ ظالم بھی تھا۔ جب وحشت اٹھتی تو بلا قصور ریشماں کو مارنے پیٹنے لگتا۔ ایک دفعہ اس زور سے ریشماں کا گلا گھونٹا کہ اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں' قریب تھا کہ ریشماں دم توڑ دے مگر عین اس وقت ایک نوکرانی نے دیکھ کر شور مچا دیا اور وہ ڈر کے بھاگ گیا۔

رفتہ رفتہ ریشماں نے اس وحشی سے نپٹنے کی ایک ترکیب سوچ لی' جس دن ریشماں کو اس کے تیور ذرا بھی بدلے ہوئے نظر آتے وہ خود بھی سودائی بن جاتی اور پھکنی' چمٹا' گڑوی جو بھی ہاتھ لگتا میاں کے دے مارتی' یہ حربہ کارگر ثابت ہوتا اور وہ فوراً ٹل جاتا۔ یونہی چار سال گزر گئے لیکن اس قسم کی زندگی میں جس میں ہر وقت جان کا خوف لگا رہتا ہو' آخر کب تک گزاری جا سکتی تھی۔ چنانچہ وہ بھاگنے کی ترکیبیں سوچنے لگی۔ اس کی جان پہچان ایک بڑھیا سے ہوگئی جس کا تعلق بردہ فروشوں کے ایک گروہ سے تھا' یہ بڑھیا ریشماں کو تھوڑے ہی دنوں میں وہاں سے بھگا لے جانے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے اسے مائی جمی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

سودائی کے ساتھ چار سال گزار کے وہ خود بھی نیم وحشی ہو چکی تھی۔ اسے خوب کھلایا پلایا اور آخر پیار محبت سے اسے رام کر لیا۔ اب اس نے اسے اپنے پیشے کی تعلیم دینی شروع کی۔

مائی جمی کا بردہ فروشی کا طریقہ سب سے جدا تھا اور ایک فن کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ بڈھوں کو پھانسا کرتی جو خاص کر جوان لڑکیوں کے آرزومند رہتے اور جن سے ان کی اچھی قیمت مل جاتی۔ پھر جب لڑکیاں زیور اور روپیہ لے کر بھاگ جاتیں تو وہ بدنامی اور جگ ہنسائی کی وجہ سے اس کا زیادہ چرچا نہ کرتے اور بڑھاپے کی وجہ سے دوڑ دھوپ اور پیچھا کرنے کی بھی ان میں ہمت نہ ہوتی۔ اس طرح چند ہی ماہ میں یہ واقعہ رفت گزشت ہو جاتا' اور پھر کہیں دور نئے شکار کی تلاش از سر نو شروع ہو جاتی۔

ریشماں نے جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ جس قسم کی زندگی گزاری تھی۔ اس سے وہ زندگی کو ایک خوفناک کھیل سمجھنے لگی تھی جس میں کھلاڑی ہر وقت جان کی بازی لگائے رکھتا ہے اور آخر ایک دن اسے جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں ریشماں کی مہم پسند طبیعت کو یہ کھیل جس میں ایک طرح سے مردوں سے انتقام لینے کا جذبہ بھی شامل تھا' بھا گیا تھا مگر بدقسمتی سے اب تک اسے تکلیفیں اٹھانی پڑی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

تھیں اور وہ لذت نہ مل سکی تھی جو کسی خوفناک کھیل کی کامیابی پر کھلاڑی کو حاصل ہوتی ہے۔ چوہدری گلاب کے گھر بس کرا سے پہلی مرتبہ زندگی کی قدر و قیمت معلوم ہوئی۔ اس گھر میں کیسی عافیت اور باہر کیسے کیسے خطرے' جن لوگوں کو فریب دیا گیا' ان کے غضب ناک چہروں کا ہر وقت آنکھوں کے سامنے پھرتے رہنا' اجنبی شکلوں پر خواہ مخواہ ان کا دھوکا ہونا' رہ رہ کے چونک پڑنا' سوتے سوتے چیخ اٹھنا۔

دن گزرتے گئے۔ یہاں تک کہ ریشماں کو چوہدری گلاب کے گھر میں بسے تین مہینے ہو گئے۔ اس دوران میں وہ آرام اور عافیت کی اور بھی زیادہ عادی ہو گئی ادھر چوہدری روز بروز اس کا پہلے سے زیادہ گرویدہ ہوتا جا رہا تھا آئے دن اس کے لئے چھوٹے چھوٹے زیور لانے لگا تھا۔

ایک دن وہ گھر میں اکیلی تھی کہ ایک بڑھیا بھیک مانگنے آئی۔ جب ریشماں آٹے کی مٹھی فقیرنی کی جھولی میں ڈال رہی تھی تو اس نے چپکے سے کہا:

''مجھے پہچانا؟ مجھے مائی جی نے بھیجا ہے' کہو کب چلنا ہے؟''

اس نے بڑھیا کو پہچان لیا اور یکبارگی کانپ اٹھی۔ چہرے کا رنگ فق ہو گیا مگر پھر جلد ہی سنبھل گئی۔ بولی:

''مائی جی سے کہنا ابھی نہیں۔ ابھی مجھے زیوروں کا پتہ نہیں لگا' ایک مہینہ اور ٹھہر جائے۔''

فقیرنی بڑبڑاتی چلی گئی۔

ایک مہینہ گزر گیا۔ اب کے مائی جی خود آئی اور صبح کو ایسے وقت آئی جب چوہدری گھر میں موجود تھا۔ وہ اسے ریشماں کی خالہ سمجھتا تھا جو غربت کی وجہ سے اپنی بہن کی نشانی کو بیچ دینے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اس نے مائی جی کو عزت سے گھر میں بٹھایا اس کی مزاج پرسی کی' پھر دونوں کو تنہا چھوڑ کر کھیتوں پر چلا گیا۔

''کہو زیوروں کا پتہ لگا؟'' مائی جی نے پوچھا۔

''مجھے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ وہ ایک ایک کر کے خود ہی مجھے زیور دے رہا ہے۔ لو دیکھو!''

''اری' ان دو انگوٹھیوں اور کان کے بندوں کو تو زیور کہہ رہی ہے' پگلی زیور تو ہوتا ہے ست لڑا مالا' کڑے' جھومر' چمپا کلی' لیکن بس اب ہمیں کچھ نہیں چاہئے میں تجھے لینے آئی ہوں۔ آج رات کو تیار رہیو۔ میں نے گھوڑی کا انتظام کر لیا ہے۔''

''نہیں مائی جی! ابھی نہیں۔'' اس نے سہم کر لجاجت سے کہا۔ ''مجھے اس گھر میں بہت آرام مل رہا ہے۔ میں ابھی جانا نہیں

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

چاہتی۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔ مجھ سے کمو نے بھی یہی کہا تھا کہ اس کے طور بدلے ہوئے ہیں مگر میں نے یقین نہیں کیا۔'' پھر وہ تحکمانہ لہجے میں کہنے لگی۔ ''سن لڑکی! بیوقوفی کی بات نہ کر' تجھے میرے ساتھ جانا ہے اور آج ہی رات کو۔ ایک بڑا امیر نمبردار تیرا گاہک پیدا ہوا ہے جو تجھے سونے سے لاد دے گا اور میں اس سے بات پکی کر آئی ہوں۔''

''مائی جی!'' ریشماں نے اور بھی گڑگڑا کر کہا۔ ''میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں' مجھے اسی گھر میں رہنے دے۔ میں تجھے یہ سارا زیور دے دوں گی اور چوہدری اور جو کچھ دے گا وہ بھی تیرا ہی ہوگا مگر مجھے یہیں چھوڑ دے۔''

مائی جی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی:

''اری ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔ بڈھے پر کیا مرنا' زندگی کا مزہ لینا ہے تو کسی جوان پر مر۔ اس بڈھے میں رکھا ہی کیا ہے۔''

''نہیں نہیں' مجھے کسی مرد کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ بڈھا بھی نہیں چاہئے' میں تو فقط آرام سے زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔''

''دیکھ ریشماں۔'' مائی نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''جو تو چاہتی ہے وہ تو ہونے کا نہیں۔ اگر تو سیدھی طرح نہیں مانے گی تو پھر میں دوسرا گر بھی جانتی ہوں۔ تجھے معلوم نہیں کہ کرم دین ابھی تک چھوی لئے تیری تلاش میں پھر رہا ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ میں نے تجھے بھگایا تھا۔ میں اب بھی اس کے پاس جا سکتی ہوں اور تیرا پتہ بتا سکتی ہوں۔''

مائی جی کے زبان سے یہ الفاظ مشکل ہی سے نکلے ہوں گے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے یکبارگی بھونچال آ گیا ہو۔ ریشماں نے بپھری ہوئی شیرنی کی طرح مائی کو دبوچ لیا اور ناخنوں سے اس کا چہرہ لہولہان کر دیا۔ پھر پیٹ پر اس زور کی دو تین لاتیں ماریں کہ تھوڑی دیر کے لئے بڑھیا کا سانس بند ہو گیا۔

''حرامزادی' کٹنی' بدمعاش' نکل جا میرے گھر سے۔ نہیں تو خون پی لوں گی تیرا۔''

یہ کہتے کہتے اس نے مارے طیش کے مائی جی کے منہ پر تھوک دیا۔

ریشماں کے چہرے سے اس وقت ایسا وحشی پن ٹپک رہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سچ کر گزرے گی۔ اس کے پہلے ہی حملے نے مائی جی کی ایسی سٹی گم کر دی تھی کہ وہ اپنی مدافعت بھی نہ کر سکی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کپڑے جھاڑے' چادر سے چہرہ پونچھا جو اس وقت نفرت سے سخت گھناؤنا ہو رہا تھا۔ وہ بغیر ایک لفظ منہ سے نکالے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی ریشماں نے خود کو پلنگ پر پٹخ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دوپہر کو جب چودھری گلاب کھانا کھانے آیا تو وہ پہلے کی طرح ہشاش بشاش پلنگ سے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اٹھی اور کھانا نکالنے کے لئے چولہے کی طرف گئی۔

''تمہاری خالہ چلی گئی؟'' چوہدری نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''کھانا تو کھلا دیا ہوتا۔''

''ان کے پیٹ میں اچانک سخت درد اٹھا اور وہ اپنے گاؤں کے حکیم کے پاس دوا لینے چلی گئیں۔''

اس واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا اس عرصے میں ریشماں کے دل کا چین مفقود ہو چکا تھا۔ ہر آہٹ پر اسے کسی کے قدموں کا گمان ہونے لگا تھا۔ وہ بار بار دروازے کی طرف جاتی اور واپس آ جاتی۔ دو چار ہی دن میں اس کی آنکھوں کے گرد گڑھے پڑ گئے اور چہرے پر زردی چھا گئی جیسے یکبارگی کسی مہلک مرض نے آ لیا ہو۔ وہ چوہدری سے کچھ کہنا چاہتی تو منہ سے بات نہ نکلتی۔ چوہدری اس سے کچھ کہتا تو وہ بے خیالی میں کچھ نہ سنتی اور چوہدری کو ایک ایک بات تین تین چار بار دہرانی پڑتی۔ چوہدری نے اس تبدیلی کو محسوس کیا اور کہا۔

''تمہارا جی اچھا نہیں ہے' چلو میں تمہیں حکیم کے پاس لے چلوں۔''

''نہیں مجھے کچھ نہیں ہوا۔'' اس نے کہا۔ ''بچپن ہی سے میری حالت کبھی کبھی ایسی ہو جایا کرتی ہے مگر چند ہی دنوں میں آپ ہی آپ ٹھیک ہو جاتی ہوں۔''

دن پر دن گزرتے گئے مگر اس کی حالت میں فرق نہ آیا۔ اس دوران میں کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کہ وہ چوہدری سے سارا حال کہہ دے اور اپنے کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دے مگر اس کا احساس خودی جسے خود چوہدری کے حسن سلوک نے اس میں پیدا کر دیا تھا اس کی اجازت نہ دیتا تھا۔ کیا وہ چوہدری کے سامنے اعتراف کر لے کہ وہ پرلے درجے کی مکار اور جھوٹی ہے اور ان چار ماہ میں جو اس نے گھر میں گزارے ہیں' اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ فریب سے پر تھا اور اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ چوہدری پر یہ حقیقت کھلنے پر کہ وہ ایک جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتی ہے جو کئی گھروں کو لوٹ چکی ہے اور عنقریب اس کو بھی لوٹنے والی تھی' اسے بے عزت کر کے گھر سے نکال دے گا' چنانچہ اس نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا اور اپنے معاملے کو تقدیر پر چھوڑ دیا۔

اسے اس بات کا افسوس نہیں تھا کہ اس نے مائی جمی کے ساتھ ایسا درشت سلوک کیا۔ اگر وہ زمانہ سازی سے کام لیتی تو شاید مائی جمی کو دو تین مہینے تک اور ٹال سکتی تھی مگر امید و بیم میں رہ کر جینا اس کی سرشت کے لئے موت سے بدتر تھا اور وہ چاہتی تھی کہ جو بات بھی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ہوئی ہو دو ٹوک ہو جائے اور وہ خوش تھی کہ اس نے مائی جی سے اپنا بدلہ لے لیا تھا۔ وہ صبر کے ساتھ اس آنے والی گھڑی کا انتظار کرنے لگی۔ اسے زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑی اور وہ گھڑی آ ہی پہنچی۔

شام کا وقت تھا۔ گھروں میں دیئے جل چکے تھے۔ وہ چولہے کے پاس بیٹھی چوہدری کو کھانا کھلا رہی تھی کہ ایک کسان کھانستا ہوا گھر کے آنگن میں داخل ہوا:

''چوہدری صاحب!'' اس نے کہا۔ ''کوئی شخص آپ سے ملنے آیا ہے۔''

''کون ہے؟''

''کوئی بوڑھا زمیندار ہے' سفید داڑھی والا۔ نام نہیں بتلایا۔ کہتا ہے' بہت ضروری کام ہے بڑی دور سے آیا ہوں۔''

''اچھا! اسے باہر چارپائی پر بٹھاؤ اور حقہ بھر کے پلاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

ریشماں کا سر چکرا گیا اور اس نے سہارا لینے کے لئے اپنا ایک ہاتھ زمین پر ٹیک دیا مگر یہ کیفیت لمحہ بھر سے زیادہ نہ رہی۔ وہ سنبھل گئی اور خاموشی سے چوہدری کو کھانا کھاتے دیکھنے لگی' رفتہ رفتہ اس کے ارادے میں مضبوطی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ خطرے کا مقابلہ کر سکے گی۔

کھانا کھا کے چوہدری نے کلی کی داڑھی مونچھ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر تہمد کے پلے سے منہ پونچھتا ہوا باہر نکل گیا۔

ایک منٹ' دو منٹ' پندرہ منٹ گزر گئے مگر چوہدری نہ آیا ریشماں نے سوچا کہ ابھی وہ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہوں گے اور اصل واقعہ ابھی نہیں چھڑا ہوگا کیونکہ وہ برابر حقے کی گڑگڑاہٹ سن رہی تھی۔

آخر کوئی آدھ گھنٹے کے بعد چوہدری واپس آیا۔ اس کی حالت انتہائی اضطراب کی تھی۔ اس کی آنکھیں بھنچی ہوئی تھیں' ہاتھ کانپ رہے تھے اور داڑھی کف آلود تھی۔

''کیوں ری۔'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تو کرم دین کو جانتی ہے؟''

ایک ایسی آواز میں جو سرگوشی سے ذرا ہی اونچی تھی' ریشماں نے کہا۔

''ہاں!''

''تو پھر وہ سب سچ ہے جو کہتا ہے؟''

بغیر یہ جاننے کی خواہش کئے کہ وہ کیا کہتا ہے' ریشماں نے کہا:

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''ہاں!''

اور اس کے ساتھ ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یکبارگی کی کوئی بڑا بھاری بوجھ اس کے سینے سے اٹھ گیا۔

''بدذات بے حیا عورت۔''

یہ پہلے سخت لفظ تھے جو چوہدری کی زبان سے اس نے اپنے بارے میں سنے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ ان لفظوں نے اس کے احساس خودی کو صدمہ نہیں پہنچایا بلکہ اسے مزہ آیا اور ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔

چوہدری نے غصے سے ایک دو مرتبہ زمین پر پاؤں پٹکے' کوٹھری کے اندر گیا۔ آنگن میں گھوما' جیسے نہیں جانتا کہ کیا کرے' آخر وہ باہر نکل گیا۔

ریشماں اب اپنے کو پہلے کی طرح پھر بے خوف اور آزاد محسوس کر رہی تھی' ہر قسم کے بندھنوں میں اس نے اپنے کو خواہ مخواہ جکڑ لیا تھا' مگر اب وہ مسرت کے ساتھ ہر تماشہ دیکھنے کے لئے تیار تھی' خواہ وہ انجام کار اس کی اپنی زندگی کا المیہ ہی کیوں نہ ثابت ہو۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آنگن میں گئی اور دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کے ان کی باتیں سننے لگی۔ وہ دونوں چارپائی پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ چوہدری گلاب بڑے جوش میں کہہ رہا تھا:

''نالش دعویٰ کرنا' عدالت میں جانا تو نامردوں کا کام ہے۔ مردوں کا طریقہ دوسرا ہے' اگر تمہیں منظور ہے تو ابھی چل کے فیصلہ کئے لیتے ہیں۔''

''مجھے منظور ہے۔ کرم دین نے مونچھ کو تاؤ دے کر کہا۔'' میں بھی گیدڑ نہیں ہوں۔''

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد چوہدری گلاب' کرم دین اور ریشماں تینوں کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے قصبے کے اس طرف جا رہے تھے جدھر گھنا جنگل تھا اور آبادی کے آثار نہ تھے۔ یہ ماگھ کے آخری دن تھے۔ سردی زوروں پر تھی' تیرھویں یا چودھویں کا چاند نکلا ہوا تھا۔ جوں جوں وہ بلند ہوتا جاتا خنکی بڑھتی جاتی۔ انہوں نے گاڑھے کی چادروں میں اپنے کو لپیٹ رکھا تھا۔ دونوں مرد آگے آگے تھے اور ریشماں پیچھے پیچھے۔ وہ خاموش چلتے چلے گئے' یہاں تک کہ وہ جنگلوں میں پہنچ گئے مگر ان کے قدم اب بھی نہیں تھمے' وہ چاند کی کرنوں کی روشنی میں جو درختوں کے پتوں سے چھن چھن کر پگڈنڈی پر پڑ رہی تھیں' برابر چلتے رہے۔ آخر وہ جنگل بھی ختم ہو گیا اور ایک ایسی جگہ جہاں ہر طرف ٹیلے ہی ٹیلے تھے' خاردار جھاڑیاں تھیں اور مردہ جانوروں کے پنجر پڑے تھے۔ یہ جگہ ایسی جا تھی کہ رات تو رات دن' دن کے وقت بھی کس انسان کا ادھر گزر نہیں ہوتا تھا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ایک اونچا سا صاف اور ہموار قطعہ زمین دیکھ کے چوہدری گلاب ٹھہر گیا۔

''بس یہ جگہ ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔ یہ پہلا فقرہ تھا جو پچھلے دو گھنٹے کی مسافت کے دوران ان میں سے کسی کی زبان سے نکلا تھا۔

''جیسی چوہدری صاحب کی مرضی۔'' کرم دین نے جواب دیا۔

دونوں کے چہروں پر تناؤ تھا اور ابرو چڑھے ہوئے۔ دونوں نے اپنی اپنی چادریں پگڑیاں اور کرتے اتار کے زمین پر رکھ دیئے اور تہمد کو لنگوٹ کی طرح کس لیا۔ پھر دو چھویاں چاندنی میں چمکنے لگیں اور دونوں میدان میں اتر آئے۔

ریشماں چلتے چلتے تھک گئی تھی۔ وہ ان سے ذرا فاصلے پر ایک پتھر پر بیٹھ گئی' اس کے چہرے پر ایک تحقیر آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ دلچسپی سے ان کی لڑائی دیکھنے لگی۔ ایسا منظر اس نے اپنی عمر میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کے دل میں اب ذرہ بھر خوف باقی نہ رہا تھا' نہ اس کی فکر تھی کہ ان دونوں میں سے کون فتح یاب ہو کر اس کی قسمت کا مالک بنتا ہے۔ وہ بڑی مسرت اور چونچالی کے ساتھ ان بڈھوں کی جنگ دیکھ رہی تھی' جیسے بچے ریچھوں کی کشتی کا تماشہ دیکھتے ہیں۔

کچھ دیر تو دونوں چھویاں تانے بے حرکت آمنے سامنے کھڑے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے پینترے بدلے۔ چاندنی میں ان کی چاندیں چمک رہی تھیں اور سفید داڑھیاں جو اس وقت اور بھی سفید دکھائی دیتی تھیں ہل رہی تھیں۔

وہ پاؤ گھنٹے تک اسی طرح برابر پینترے بدلا کئے مگر ابھی تک ایک کی چھوی نے دوسرے کے جسم کو نہیں چھوا تھا۔ صرف ایک مرتبہ چوہدری گلاب کی چھوی کرم دین کی چھوی سے ٹکرا گئی تھی مگر اس کے بعد دونوں پیچھے ہٹ گئے' اسی میں وہ دونوں ہانپنے لگے تھے۔

ریشماں کو اس تماشے سے جلد ہی اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے جمائیاں لینی شروع کر دیں' اسے اب سردی بھی لگنے لگی تھی' اس نے ٹیلوں کے اس پار دیکھنا شروع کیا' شاید دور کوئی نالہ بہہ رہا تھا جس کا ہلکا ہلکا شور اس کے ہو کے عالم میں بڑا تسکین بخش معلوم ہوتا تھا۔

اچانک کرم دین نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ذرا تھم جاؤ۔ اس کے تہمد کا پلو جس کو اس نے لنگوٹ کی طرح پیچھے اڑس رکھا تھا باہر نکل آیا۔ اسے ایک ہاتھ میں چھوی اور دوسرے ہاتھ میں لنگوٹ تھامے دیکھ کر ریشماں ضبط نہ کر سکی' اور اس نے بے اختیار قہقہہ لگا دیا۔

دونوں مرد پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

ریشماں ہنسے جا رہی تھی۔ ہر چند اسے احساس تھا کہ ایسے نازک وقت میں اس کا ہنسنا بڑا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے' مگر اسے پرواہ نہ تھی۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''اگر میں زندہ بچ رہا۔'' کرم دین نے کھسیانا ہو کر کہا۔ ''تو سب سے پہلے اسی چھنال کے ٹکڑے کروں گا۔''

''اس بے حیا کو تو اب میں بھی گھر میں نہیں بساؤں گا۔'' چوہدری گلاب نے کہا۔ ''بس ناک کاٹ کے چھوڑ دوں گا۔''

''تو چوہدری آؤ پہلے کیوں نہ اسی کا قصہ پاک کریں' ہم بھی کیسے بے وقوف ہیں کہ اس فاحشہ کے پیچھے جانیں دیئے دیتے ہیں۔ اس کا کیا ہے کل کسی اور کی بغل گرم کر رہی ہوگی۔''

چوہدری گلاب نے کچھ جواب نہ دیا' کرم دین نے اس کی خاموشی کو رضا تصور کیا اور وہ یکبارگی چھوی لے کر ریشماں کی طرف جھپٹا مگر جلدی میں کپڑوں کے ڈھیر میں الجھ گیا اور ریشماں کو بھاگنے کا موقع مل گیا۔ وہ تیزی سے دوڑ کر ایک ٹیلے پر چڑھ گئی۔ کرم دین بھی اس کے پیچھے بھاگا' اسے دیکھ کر وہ پھر دوڑی۔ کرم دین نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ دونوں دیر تک ٹیلوں پر ادھر ادھر بھاگتے رہے۔ کرم دین دوڑتے دوڑتے بے دم ہو گیا تھا مگر انتقام کی آگ نے اسے ایسا باؤلا بنا دیا تھا کہ وہ گرتا پڑتا اس کا تعاقب کئے جا رہا تھا۔ یہ سلسلہ آدھ گھنٹے تک جاری رہا' بالآخر ریشماں کے کپڑے ایک جھاڑی کے کانٹوں میں الجھ گئے اور دوسرے لمحے کرم دین نے آ کے اسے چٹیا سے پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ ریشماں نے دانتوں سے اس کے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر لہولہان کر دیا مگر اس نے چٹیا نہ چھوڑی۔

دونوں اس جگہ پہنچے جہاں چوہدری گلاب ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اس دوران میں وہ کپڑے پہن چکا تھا۔ اس بلا کی سردی میں ننگے رہنے پر اس کا جسم اکڑ گیا تھا مگر اب گاڑھے کی بکل مارے وہ بہت مگن تھا معلوم ہوتا تھا۔

کرم دین نے کہا' ''بے حیا بھاگنا چاہتی تھی مگر میں بھی پاتال تک اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ کیوں چوہدری لگاؤں ایک ہاتھ۔''

یہ کہہ کر اس نے چھوی اٹھائی چوہدری گلاب جواب نہ دینے پایا تھا کہ ایک آواز ٹیلوں میں گونج اٹھی:

''او چوہدریوں ٹھہر جاؤ۔''

یہ مائی جی تھی جوان کے پیچھے پیچھے چلتی رہی تھی اور ایک ٹیلے کے کھڈ میں چھپ کے دور سے سارا ماجرا دیکھتی رہی تھی۔

''او بردہ فروش چڑیل تو کہاں سے آ گئی۔'' کرم دین نے غصے سے کہا۔ ''یہ سب تیرے ہی کرتوت ہیں' آ اس کے ساتھ تیری زندگی کا بھی قصہ پاک کریں۔''

چند لمحوں میں مائی جی ان کے پاس پہنچ گئی۔

''لو مار ڈالو'' اس نے بے خوفی سے اپنا سینہ آگے کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر یاد رکھو تم بھی پھانسی سے نہیں بچو گے۔ میرے کنبے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

والے تھانے میں فوراً اطلاع کردیں گے اور سپاہی آ کے تمہیں ہتھکڑیاں لگا کے لے جائیں گے۔''

''کیا بکتی ہے کُتی۔'' چوہدری نے کہا۔ وہ اب تک اس قصے میں خاموش رہا تھا مگر جمی کی اس زبان درازی کو برداشت نہ کر سکا۔

کچھ لمحے خاموشی رہی۔ اب کے بعد جمی نے پھر زبان کھولی مگر اب کہ اس کا لہجہ مصالحت آمیز تھا۔

''سنو'' اس نے کہا ''اگر تمہیں وہ سارا روپیہ مل جائے جو تم نے اس پر خرچ کیا ہے تو کیا تم اسے مجھے دے دو گے؟''

دونوں شخص کچھ دیر سوچتے رہے' اس کے بعد کرم دین نے کہا۔

''اگر میرے چار سو روپے مجھے واپس مل جائیں تو پھر وہ چاہے بھاڑ میں جائے میری بلا سے۔''

''تم چار سو چھوڑ پانچ سو لینا' چوہدری گلاب! تم کیا کہتے ہو؟''

''اگر کرم دین کو اعتراض نہیں تو مجھے بھی اعتراض نہیں۔'' چوہدری نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

''تمہیں بھی تمہارا سات سو روپیہ مل جائے گا چوہدری گلاب۔ بات یہ ہے کہ یہاں سے کوئی دس کوس پر ایک نمبردار رہتا ہے جو ریشماں جیسی لڑکی کے دو ہزار روپے دینے کو تیار ہے۔ تم مجھے ایک دن کی مہلت دو اور ریشماں کو بھی اپنے پاس رکھو۔ کل شام کو جب میں تمہارا روپیہ لوٹا دوں گی تو تم اسے میرے حوالے کر دینا۔''

ریشماں نے گردن اٹھائی۔ مائی جمی کی طرف دیکھا اور ایک جھرجھری لی۔ چوہدری گلاب نے مائی جمی کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ مائی جمی نے اس کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کے لئے خاموشی ہی کافی تھی۔

اب کرم دین بھی کپڑے پہن چکا تھا۔ وہ چاروں واپس چل دیئے۔ پہلے کی طرح مرد آگے آگے اور عورتیں پیچھے پیچھے۔ سردی اب پہلے سے بڑھ گئی تھی جس کی وجہ سے اب ان کے قدم آپ ہی آپ تیز تیز اٹھ رہے تھے۔ کچھ دیر تو وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ آخر کرم دین نے چوہدری گلاب سے کہا۔

''بڑی خشک سردی پڑی ہے اب کے سال' ہماری فصلوں کا تو ناس ہی ہو گیا۔ یہاں کیا حال ہے چوہدری صاحب؟''

''یہاں بارش کی ایک بوند نہیں پڑی۔'' چوہدری گلاب نے جواب دیا۔ ''پھر یہ خشک سردی بیماریاں بھی تو لاتی ہے۔ خاص کر ڈھور ڈنگر کے لئے' میری ایک بھینس پالا کھا کے مر گئی۔''

''اوہو''

پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''چاول کا کیا بھاؤ ہے یہاں؟'' کرم دین نے پوچھا۔

''بیگمی سوا دو سیر۔'' چوہدری گلاب نے جواب دیا۔

''ہمارے ہاں ڈھائی سیر کا بھاؤ ہے۔'' کرم دین نے کہا۔

ریشماں اس خنک چاندنی میں ایک خواب کے سے عالم میں چلی جا رہی تھی' نہ تو اس کے کان کچھ سن رہے تھے نہ آنکھیں کچھ دیکھ رہی تھیں اور نہ یہ خبر تھی کہ قدم کہاں پڑ رہے ہیں۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

تنکے کا سہارا

ہمارے محلے میں ایک میر صاحب رہا کرتے تھے۔ نام سے تو ان کے شاید دو ایک آدمی واقف تھے مگر رفتہ رفتہ سب کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ چنگی خانے میں ملازم ہیں۔ خدا معلوم وہاں کیا کام کرتے تھے مگر شام کو جب لوٹتے تو کبھی دو چار گنے' کبھی گڑ کی بھیلی' کبھی پان' کبھی کھجوریں رومال میں بندھی ہوئی ان کے ہاتھ میں ہوتیں۔ ادھیڑ عمر' دبلے پتلے منحنی سے آدمی مگر خوش اخلاق اور وضع دار' کتھئی رنگ کی بوسیدہ سی شیروانی اور سفید ساقہ۔ جاڑے گرمی یہی ان کا لباس رہتا۔ چگی داڑھی' باچھوں میں ہلکی پیک بہی ہوئی۔ راستے میں کبھی محلے کے بچے کھیلتے ہوئے مل جاتے تو رومال سے کھجوریں یا بیر نکال نکال کے انہیں دیا کرتے اور شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے۔ وہ خود بھی کئی بچوں کے باپ تھے۔ اس محلے میں یوں تو غریب غربا ہی بستے تھے مگر کچھ گھر کھاتے پیتے لوگوں کے بھی تھے۔ یہ ایک بڑا سا چوکور احاطہ تھا جس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے' دو منزلہ مکان تھے اور بیچ میں کھلا میدان' نچلی منزل میں دو دو کوٹھریوں اور ایک ایک آنگن کے مکان تھے۔ ان میں زیادہ گاڑی بان بسے ہوئے تھے جن کے نام سے یہ محلہ مشہور تھا' ان کی گاڑیاں اور مویشی رات کو اسی میدان میں پڑے رہتے تھے اور وہ خود بھی سخت جاڑے کے دو ایک مہینوں کو چھوڑ کر باقی سارے سال باہر میدان ہی میں سوتے تھے۔ میر صاحب کا خاندان بھی ان نچلے مکانوں ہی میں سے ایک میں رہتا تھا۔

اوپر کی منزل والے مکانوں میں جن کی مکانیت نسبتاً بہتر تھی' کچھ تو دفتروں کے بابو اور منشی متصدی رہتے تھے اور کچھ بیوپاری اور دکاندار جن کی دکانیں محلے کے قریب ہی بازار میں تھیں۔ ایک حاجی صاحب تھے جو ہیڈ کلرکی سے ریٹائر ہو کر پنشن پا رہے تھے۔ ان کا بڑا سا کنبہ تھا۔ ایک لڑکا کسی دفتر میں ٹائپسٹ تھا۔ دوسرا بیمہ کا کام کرتا تھا دونوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک لڑکا اسکول میں پڑھتا تھا اور پھر حاجی صاحب کی بیگم بھی حیات تھیں۔ یہ سب لوگ دو ملحقہ گھروں میں رہتے تھے جن کی درمیانی دیوار کو بیچ میں سے توڑ کر آنے جانے کے لئے راستہ بنا لیا گیا تھا۔

حاجی صاحب کے علاوہ اس احاطے میں ایک اور کھاتا پیتا گھر ٹھیکیدار غلام رسول کا تھا جس نے سرکاری عمارتوں کے ٹھیکہ میں خاصی دولت پیدا کی تھی۔ ایک گھر مہر فضل دین فروٹ مرچنٹ کا تھا۔ ایک میں چوہدری فتح محمد انجینئر رہتے تھے۔ ایسے ہی دو ایک گھر

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اور تھے جن کو نسبتاً خوش حال کہا جاسکتا تھا۔

ایک دفعہ جاڑوں میں میر صاحب بیمار پڑ گئے' معمولی مرض تھا انہوں نے پروانہ کی اور برابر کام پر جاتے رہے مگر مرض بڑھتا گیا اور دو چار ہی دن میں وہ نڈھال ہو کر چارپائی پر پڑ گئے۔ محلے کے لوگوں نے دو ایک مرتبہ انہیں لاٹھی کے سہارے عطار کی دکان پر کھڑے دیکھا۔ اس کے بعد وہ کئی دن نظر نہ آئے اور آخر ایک دن اچانک یہ خبر سارے محلے میں پھیل گئی کہ چنگی والے میر صاحب چل بسے۔

محلے والے ان کی خستہ حالی سے واقف تھے مگر یہ بات کسی کے گمان میں نہ تھی کہ مرنے کے بعد ان کی تجہیز و تکفین کے لئے بھی گھر سے کچھ نہیں نکلے گا۔ مرحوم کو اس محلے میں رہتے تقریباً چار برس ہو گئے تھے مگر اس عرصے میں وہ سب سے الگ تھلگ ہی رہے تھے۔ ویسے تو محلے کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آتے رہے۔ مگر انہوں نے کسی سے میل جول بڑھانا پسند نہیں کیا نہ خود کسی کے ہاں گئے نہ کسی کو اپنے ہاں بلایا ان کے بچے بھی گھر سے کم ہی باہر نکلا کرتے تھے چنانچہ ہمسایوں پر ان کے گھر کی صحیح حالت کبھی ظاہر نہ ہونے پائی تھی' مگر اب اچانک میر صاحب مرحوم کی غربت کا پورا اندازہ ہو جانے پر اہل محلہ بھونچکا رہ گئے۔ پردیس میں ایک شریف سید مسلمان کے لاشے کی اس بے کسی و رسوائی پر ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ دم بھر میں محلے کی عورتیں مرحوم کے گھر میں اور مرد باہر جمع ہو گئے۔ فوراً چندہ کیا گیا اور میر صاحب کی میت کو عزت و آبرو کے ساتھ آخری منزل تک پہنچا دیا گیا۔

اگلے روز صبح کو محلے کی مہترانی سگو' آئی تو دیکھا کہ سید کی بیوی آنگن میں زمین پر بیٹھی ہے۔ چار بچوں کو تو اپنے گرد بٹھا رکھا ہے اور پانچواں گود میں ہے۔ ہنستی جا رہی ہے اور مٹھی میں مٹی بھر بھر کے بچوں کے سروں پر ڈالتی جا رہی ہے۔ اس واقعہ کے بعد محلے والوں نے میر صاحب مرحوم کی بیوی بچوں کو اپنی سرپرستی میں لے لینا اپنا فرض قرار دے لیا۔

میر صاحب مرحوم ایک زوال پذیر خاندان کے آخری فرد تھے جنہیں فکر معاش نے ترک وطن پر مجبور کیا تھا۔ وہ برسوں دیس دیس کی خاک چھانتے پھرے' جہاں ذرا سا بھی سہارا ملا وہیں کے ہو رہے اور بیوی بچوں کے ساتھ جیسے تیسے زندگی کے دن پورے کرتے رہے۔ وہ خود تو شہری زندگی کے پروردہ تھے مگر بیوی گاؤں کی رہنے والی سیدھی سادی عورت تھی' زمانے کی اونچ نیچ سے بے خبر صحت اچھی تھی' شکل صورت کی بھی بری نہیں تھی' تھی تو وہ بھی سیدزادی ہی مگر اس میں غرور نام کو نہ تھا۔

میر صاحب سے شادی کے نو برس میں اس کے ہاں چھ بچے ہوئے تھے۔ چار لڑکیاں اور دو لڑکے۔ ایک شیر خواری ہی میں مر گئی تھی' باقی پانچ بچوں میں سب سے بڑی کبریٰ تھی جس کی عمر آٹھ برس تھی۔ اس سے چھوٹی صغریٰ کی سات برس' پھر دو لڑکے تھے فرزند

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

علی اور حشمت علی۔ ایک پانچ برس کا دوسرا ساڑھے تین برس کا۔ سب سے چھوٹی کلثوم تھی جو ابھی چار ہی مہینے کی تھی۔ پردیس میں یوں اچانک شوہر کے اٹھ جانے اور خود بچوں کے ساتھ بے سہارا رہ جانے پر غریب عورت کے دماغ کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور وہ اپنے بچوں کے بارے میں کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھی ادھر بچے بھی اپنی اپنی عقل کے مطابق اس واقعہ کو کچھ کچھ سمجھ کر گم سم رہ گئے تھے۔ انہوں نے نہ تو روٹی کے لئے ضد کی تھی اور نہ مٹھائی کے لئے پیسہ مانگا۔ وہ خود ہی چنگیر میں سے سوکھی روٹی کے ٹکڑے نکال نکال کر کھاتے رہے تھے۔

اگلے روز محلے والوں کی سرپرستی عملی صورت میں ظاہر ہونی شروع ہوگئی۔ محلے میں ایک شخص رہتا تھا جس کی قریب ہی بازار میں دودھ کی دکان تھی علی الصباح اس کی دکان کا ایک لڑکا ایک کوزے میں پاؤ بھر تازہ تازہ دودھ لئے میر صاحب کے مکان پر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ کبریٰ نے دروازہ کھولا تو وہ بولا۔

''استاد نے یہ دودھ بھیجا ہے چائے کے لئے۔ ہر روز ایسے ہی آیا کرے گا'' اور وہ دودھ کا کوزہ لڑکی کو دے کر چلا گیا۔

اسی طرح تھوڑی دیر کے بعد محلے کے بڑے قصاب کے ہاں سے ڈیڑھ پاؤ چربی دار گوشت آ گیا' کنجڑے نے سبزی بھیج دی۔ غرض دس بجتے بجتے ضرورت کی کچھ اور چیزیں بھی پہنچ گئیں۔ بارہ بجے کے قریب بھٹیارے کے ہاں سے آٹھ دس گرم گرم روٹیاں لگ کر آ گئیں ان میں ایک روٹی اس نے خاص طور پر چھوٹے بچوں کے لئے روغنی لگا کی بھیجی تھی اور کہلا بھیجا تھا کہ کم پڑیں تو منگوا لینا۔ اس شق میں پورا محلہ شامل تھا کیونکہ جن جن گھروں سے روٹیاں لگنے آئیں تھیں بیبیوں نے ایک ایک پیڑا سیدانی کے نام کا پہلے ہی الگ کر دیا تھا۔

محلے کا ایک گاڑی بان اپنے چھکڑے میں ٹال کے لئے لکڑیاں لادا کرتا تھا۔ وہ بھرا ہوا چھکڑا لے کر بیوہ کے دروازے پر پہنچا اور پردہ گرا کر دو من لکڑی گھر کے اندر ڈال گیا۔

دوپہر کو حاجی صاحب کے ہاں سے پرانے کپڑوں کا گٹھڑ سید کی بیوہ کے ہاں بھیجا گیا۔ ساتھ ہی حجن بی نے کہلوا بھیجا کہ کبریٰ اور صغریٰ کو بھیج دو کلام پاک کا سبق پڑھ جائیں اور چٹیا بھی کرا لیں۔

تیسرے پہر حاجی صاحب نے محلے کے تین چار معتبر آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور اس احاطے کے مالک کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اس سے دین اور آخرت کی بہت سی باتیں کی۔ سادات کی قربانیاں اور عظمتیں جتلائیں اور بالآخر اسے اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ بیوہ سیدانی کا پچھلے چار ماہ کا واجب الادا کرایہ معاف کر دے اور آئندہ اس سے آٹھ کے بجائے چھ روپے ماہوار کرایہ لیا کرے۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

یہ رقم حاجی صاحب نے محلے کے کھاتے پیتے گھروں پر بطور ماہانہ چندہ عاید کی۔ چونکہ چار چھ آنے کی بات تھی' غریب بھی خوشی خوشی اس چندہ میں شامل ہو گئے اور یہ طے پایا کہ کرایہ ادا کر کے جو رقم بچ رہے وہ بیوہ کو نقدی کی صورت میں دے دی جائے تا کہ اس سے وہ اپنی دوسری ضرورتیں پوری کر سکے۔

سگو نے کہا: ''میں اپنی آٹھ آنے مہینہ تنخواہ چھوڑ دوں گی۔'' مگر اس کی اس پیشکش کو منظور نہیں کیا گیا کہ یہ کمین لوگ ہیں شاید کبھی طعنہ دے بیٹھیں۔

نچلے مکانوں میں میر صاحب مرحوم کے مکان سے ملا ہوا ایک گھر تھا جس میں ایک نوجوان جوڑا حال ہی میں آ کر بسا تھا۔ میاں کسی چھاپے خانے میں کام کرتا تھا۔ بیوی گھر کے مختصر سے کام سے فارغ ہو کر دن بھر پلنگ پر پڑی رہتی' جس دن محلے والوں کی طرف سے بیوہ سیدانی کے ہاں کھانے پینے کا سامان پہنچا وہ جلد جلد میاں کو ناشتہ کرا' کام پر بھیج دروازے پر قفل ڈال سیدانی کے ہاں چلی آئی۔ گھر میں جھاڑو دی۔ بچوں کا منہ دھلایا۔ چولہے میں راکھ بھری تھی' اسے صاف کر کے آگ جلا دی' پکانے کا سامان آ ہی چکا تھا' جلد جلد مصالحہ پیس کر ہنڈیا چولہے پر چڑھا دی۔ روٹیاں تنور سے آ گئی تھیں۔ سب بچوں کو کھانا نکال کر دیا۔ سیدانی خاموش بیٹھی کھوئی کھوئی نظروں سے اسے یہ سب کام کرتے دیکھتی رہی۔ جب ہمسائی نے اس سے کھانا کھانے کو کہا تو اس نے منہ پھیر لیا۔ اس پر ہمسائی نے اسے سمجھایا کہ اپنی شیر خوار بچی کا خیال کرو۔ کھاؤ گی نہیں تو دودھ کیسے اترے گا' غرض زور دے کر چند نوالے اس کو کھلا ہی دیئے۔

شام کو اس کا میاں چھاپے خانے سے سینما کے کچھ رنگ دار پوسٹر لایا۔ یہ پوسٹر اس نے بیوہ کے بچوں کو دے دیئے' پھر بڑے لڑکے فرزند علی کو سائیکل پر اپنے آگے بٹھا کر گول باغ کی سیر کرانے لے گیا۔

غرض دو چار ہی دن میں محلے کے سب لوگوں نے مل کر میر صاحب مرحوم کے پسماندگان کے رہنے سہنے کا خاطر خواہ انتظام کر دیا۔ رفتہ رفتہ بیوہ کے حواس بھی بجا ہونے لگے اور وہ گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کی طرف زیادہ توجہ کرنے لگی۔ شروع شروع میں اسے محلے والوں کی امداد قبول کرتے ہوئے حجاب محسوس ہوا تھا مگر اس بیچارگی میں وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ ناچار قسمت پر شاکر ہو کر بیٹھ گئی۔

ادھر محلے والوں کو اپنی اس اجتماعی کوشش سے ایک ایسی تسکین کا احساس ہو رہا تھا جو زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ نیکی کے جذبے نے دلوں کو گداز کر دیا تھا۔ ہر شخص اخلاقی طور پر اپنے کو پہلے سے بلند محسوس کرنے لگا تھا اور وہ لوگ جو اب تک ایک دوسرے سے بے تعلق خود غرضانہ زندگی بسر کر رہے تھے' ان میں ایک باہمی رواداری پیدا ہو گئی تھی جیسے وہ ایک ہی خاندان کے فرد ہوں۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اس سلسلے میں سب سے پیش پیش حاجی صاحب کا گھر تھا جہاں اس لاوارث سید خاندان کو زیادہ سے زیادہ آسائش پہنچانے کی تجویزیں سوچی جاتی تھیں۔ حاجی صاحب مردوں میں تجن بی عورتوں میں پہروں اسی کا تذکرہ کیا کرتیں۔ بڑی بی کو سب سے زیادہ فکر کبریٰ وصغریٰ کی شادی کے لئے جہیز جمع کرنے کی تھی۔ وہ ابھی سے ان لڑکیوں کے لئے مناسب رشتوں کی کھوج میں رہنے لگی۔

دن گزرتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک سال ہوگیا۔ اس عرصے میں محلے والے میر صاحب مرحوم کے اہل وعیال کی پرورش کرتے رہے اور جس جس نے جو جو چیز اپنے ذمے لی تھی اسے وہ بلاناغہ مہیا کرتا رہا۔ ادھر اب بیوہ سیدانی کو کچھ کچھ سلائی کا کام بھی ملنے لگا تھا جس میں اس کی بڑی بیٹی اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ دونوں لڑکوں کو اسکول میں داخل کر دیا گیا تھا۔ حاجی صاحب نے اپنے رسوخ سے ان کی فیسیں معاف کروادی تھیں۔ بڑا لڑکا فرزند علی جسے میر صاحب مرحوم نے گھر پر پڑھانا شروع کیا تھا دوسری میں اور چھوٹا حشمت علی پہلی میں داخل کر لئے گئے۔ لڑکیوں کو تجن بی گھر پر پڑھاتیں۔ ساتھ ساتھ خانہ داری کی باتیں اور سینا پرونا بھی سکھاتیں۔

اسی طرح چار برس گزر گئے۔ سید کی بیوہ اور اس کے بچے محلے والوں کی امداد پر جو نقد یا جنس کی صورت میں انہیں ملتی گزر کرتے رہے۔ چونکہ اس امداد میں پندرہ بیس گھر شامل تھے اس لئے کسی کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اتنی رقم تو ہر ماہ جھوٹ موٹ کے یتیم خانے والے بٹور لے جاتے تھے' چنانچہ ہر شخص مطمئن تھا کہ وہ صحیح معنوں میں مستحقوں کی امداد کر رہا ہے۔

اب صغریٰ اور کبریٰ تیرہ چودہ چودہ برس کی ہوگئی تھیں۔ بلوغت کو پہنچ کر دونوں نے خوب رنگ روپ نکالا تھا۔ اگرچہ گھر میں سخت پردہ تھا اور لڑکیاں محلے کے دو ایک گھروں کے سوا اور کہیں آتی جاتی نہ تھیں' پھر بھی محلے کے ہر گھر میں ان کے حسن وجمال کا چرچا تھا' خاص کر صغریٰ کی نیلی نیلی آنکھیں اور بھورے بھورے بال اس کے سرخ وسفید چہرے پر بہت بھلے معلوم ہونے لگے تھے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں ان کے مستقبل کے بارے میں طرح طرح کے اندیشے ہونے لگے تھے۔

ایک دن مہر فضل دین فروٹ مرچنٹ سے اس کی بیوی نے کہا:

''کچھ خبر ہے' یہ صغریٰ کبریٰ کو تجن بی سارا سارا دن اپنے پاس کیوں بٹھا رکھتی ہیں۔''

مہر فضل دین نے استفسار بھری نظروں سے بیوی کی طرف دیکھا۔

''وہ اپنے بیٹے الطاف سے صغریٰ کو بیاہنے کی فکر میں ہیں جبھی تو کوئی اور لڑکا ان کی نظروں میں نہیں جچتا۔ میں نے اپنے بھانجے کے لئے کوشش کی تو ٹال مٹول کرنے لگیں۔ میں کہتی ہوں ان لڑکیوں کا تجن بی کے ہاں جانا بند کرانا چاہئے۔''

''مگر وہاں تو تجن بی سے کلام مجید پڑھنے جاتی ہیں۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

"مجمن بی کو خود تو کچھ آتا جاتا نہیں دوسروں کو خاک پڑھائیں گی۔ میں نے سنا ہے جیسا غلط سلط کلام مجید پڑھتی ہیں۔"

ادھر فتح محمد انجینئر اپنی بیوی سے کہہ رہے تھے۔

"ہمیں لڑکیوں کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو میر صاحب کا چھوٹا لڑکا مل جائے جسے ہم متبنہ بنا لیں۔ میں اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت بھیج سکتا ہوں۔ ہمارے کوئی اولاد تو نہیں بس وہی ہماری جائداد کا مالک ہوگا مگر حاجی صاحب کہاں ماننے والے ہیں۔"

غرض رفتہ رفتہ اہل محلہ اس خاندان کی سرپرستی میں حاجی صاحب کے حد سے بڑھتے ہوئے دخل کو ناپسند کرنے لگے تھے' پھر جس ڈھب سے بچوں کی پرورش ہو رہی تھی' اس سے بھی بعض لوگوں کو اختلاف تھا۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ حاجی صاحب کا بیٹا جو بی۔ اے میں پڑھتا تھا علانیہ صغریٰ سے اپنے عشق کا اظہار کرنے لگا۔ اس نے اپنے "عشق جنوں پرور" کے بارے میں ایک نظم بھی ایک ادبی رسالے میں چھپوائی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محلے کی عورتوں نے سید کی بیوہ پر دباؤ ڈال کر حاجی صاحب کے ہاں صغریٰ کبریٰ کا آنا جانا بالکل بند کرا دیا۔ رہی لڑکیوں کی تعلیم' تو یہ کام محلے کی مسجد کے امام صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔

ان مولوی صاحب کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ رنگ سانولا تھا مگر خدوخال میں خاصی جاذبیت تھی۔ آنکھوں میں سرمہ لگاتے۔ داڑھی میں ابھی سفید بال کم ہی نمودار ہوئے تھے۔ خاصے خوش الحان تھے ان کی اذان کی آواز محلے بھر میں سنائی دیا کرتی تھی۔ وہ کئی شہروں میں مسجدوں کے امام رہ چکے تھے مگر طبیعت سیلانی تھی اس لئے کہیں بھی پانچ چھ مہینے سے زیادہ نہ ٹکے۔ امام صاحب صبح کی نماز کے بعد بیوہ سیدانی کے گھر آ جاتے اور دو گھنٹے تک لڑکیوں کو قرآن شریف کے ساتھ ساتھ اردو' فارسی بھی پڑھاتے۔

اسی زمانے میں میر صاحب کے خاندان پر اچانک ایک ایسی مصیبت ٹوٹ پڑی جس سے محلے کے لوگ وقتی طور اپ اپنے اختلافات بھول گئے۔ ہوا یہ کہ فرزند علی نے جو اب بارہ برس کا ہو گیا تھا اسکول میں کسی لڑکے کے پیٹ میں چاقو گھونپ دیا۔ اس لڑکے کو کسی طرح فرزند علی کے خاندان کے حالات معلوم ہو گئے اور وہ اسے اکثر چھیڑا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا۔ "تو بے غیرت ہے تو محلے والوں کے ٹکڑوں پر پلا ہے دیکھ لیجیو ایک دن تیری بہنیں ایکٹریس بنیں گی ایکٹریس!"

چونکہ وہ لڑکا عمر میں فرزند علی سے بڑا تھا اور طاقت ور بھی تھا اس لئے فرزند علی طرح دے جایا کرتا تھا لیکن آخر ایک دن تنگ آ کر اس لڑکے کے چاقو مار دیا۔ وہ لڑکا تھوڑی ہی دیر میں چل بسا اور فرزند علی کو پولیس پکڑ کے لے گئی۔

یہ مقدمہ مہینوں چلتا رہا۔ حاجی صاحب اور محلے کے دوسرے با اثر لوگوں نے بہتیرا زور لگایا مگر فرزند علی سزا سے نہ بچ سکا اور وہ

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

پانچ برس کے لئے بورسٹل جیل بھیج دیا گیا۔ اس واقعہ سے محلے والوں کی ہمدردی میر صاحب مرحوم کے خاندان سے پھر تازہ ہوگئی کئی دن تک محلے کی عورتیں بیوہ سیدانی کے گھر آتی اور اس کی دلجوئی کرتی رہیں۔ غریب عورت ایک بار پھر قسمت کو رو کر بیٹھ رہی۔

جس زمانے میں صغریٰ اور کبریٰ حجن بی سے پڑھنے آیا کرتی تھیں تو الطاف کو کبھی کبھار ان کی ایک جھلک دیکھ لینے کا موقع مل جاتا تھا۔ مگر اب جو مہینوں صغریٰ اس کی نظروں سے اوجھل رہی تو اس کی بے تابی حد سے بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی ماں حجن بی سے صاف کہہ دیا کہ اگر میری شادی صغریٰ سے نہ ہوئی تو میں زہر کھالوں گا۔

اس کی بے تابی نے اس مسئلے کو اور بھی الجھا دیا کیونکہ اس کی حرکات کی وجہ سے اہل محلہ اسے چھچھورا اور آوارہ مزاج سمجھنے لگے تھے اور حاجی صاحب کو ان کی مخالفت کے ڈر سے اس رشتے کا ذکر چھیڑنے کی جرات نہ ہوتی تھی' کچھ دقت بھی تھی کہ جب تک بڑی لڑکی کا بیاہ نہ ہوجائے چھوٹی کا سوال کیونکر اٹھایا جائے۔

جوں جوں دن گزرتے گئے محلے والے حاجی صاحب کے اور بھی زیادہ مخالف ہوتے گئے یہاں تک کہ معمولی معمولی دکاندار بھی ان پر آوازیں کسنے لگے اور ان کے لئے بازار میں آنا جانا مشکل ہوگیا۔

بڑ قصاب کہتا ''دیکھیں حاجی صاحب کیسے لڑکے کی شادی رچاتے ہیں۔ پہلے وہ میرا پانچ سو روپیہ تو ادا کردیں۔ میں تو انہیں کے کہنے پر اتنے عرصے میر صاحب کے ہاں گوشت پہنچا تا رہا ہوں۔''

کنجڑا کہتا۔ ''اتنا ہی تاوان میرا بھی نکلتا ہے بھائی۔''

شیر فروش کہتا۔ ''ہم نے بھی مفت دودھ نہیں پلایا۔''

غرض محلے کے حالات اس درجہ بگڑ گئے تھے کہ اگر حاجی صاحب کی بزرگی آڑے نہ آتی تو ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی ہوتی۔ ایک دن جب اہل محلہ مسجد میں عشاء کی نماز پڑھ کر جانے لگے تو امام مسجد نے جو میر صاحب مرحوم کی لڑکیوں کو گھر پر پڑھانے آیا کرتے تھے حاجی صاحب اور چند دوسرے معتبر لوگوں کو یہ کہہ کر روک لیا کہ آپ سے ایک ضروری مسئلے پر بات کرنی ہے۔ جب اور لوگ چلے گئے تو امام صاحب نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا:

''آپ سب حضرات نہایت ہی نیک دل اور خدا ترس ہیں۔ خدا شاہد ہے میں نے اتنے شریف اور ہمدرد انسان اور کسی محلے میں نہیں دیکھے۔ آپ نے میر صاحب مرحوم کے خاندان سے جو فیاضانہ سلوک کیا ہے اور اس سلسلے میں جو عملی قدم اٹھائے ہیں اس کا اجر خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دے گا' کاش میرے پاس بھی پیسہ ہوتا اور میں بھی اس کار خیر میں آپ کا شریک ہوتا لیکن

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اب میں آپ کے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں جو فرمان خدا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی سید کی بیوی سے عقد کا خواہاں ہوں۔ مجھے آپ لوگوں پر پورا اعتماد ہے کہ اس لاوارث سید خاندان کی بہتری کے لئے آپ اس کار خیر میں میری امداد کریں گے۔''

حاجی صاحب اور دوسرے لوگ امام صاحب کی اس تجویز کو سن کر دم بخود رہ گئے ''بہتر ہے۔'' آخر حاجی صاحب بولے۔ ''اس امر میں بیوہ سیدانی کی رائے بھی لے لی جائے۔''

دوسرے دن دوپہر کے بعد محلے کی کچھ عورتیں بیوہ سیدانی کے ہاں پہنچیں اور اس سے عقد ثانی کی بات چھیڑی۔ سیدانی بی بی دیر تک خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی' پھر یک لخت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب محلے کی عورتوں نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو وہ رک رک کر اتنا کہہ سکیں:

''جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔''

یہ کہتے کہتے سیدانی کے رخساروں پر جن میں ابھی تک خون کی چند بوندیں باقی تھیں' ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد امام مسجد جو قاری نور الہدیٰ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے اپنا مختصر سامان جس میں ایک صندوقچہ' ایک چھوٹی دری اور مسئلے مسائل کی چند کتابیں شامل تھیں' لے کر مسجد کے حجرے سے سید کی بیوہ کے گھر اٹھ آئے۔

صبح صبح شیر فروش کا لڑکا حسب معمول میر صاحب کے بیوی بچوں کے لئے کوزے میں دودھ لے کر آیا۔ اس کی آواز سن کر امام صاحب خود دروازے پر آ گئے۔

''میاں لڑکے!'' انہوں نے پر وقار لہجے میں کہا۔ ''اپنے استاد سے کہنا، اب دودھ نہ بھیجا کریں، ہمیں جتنے کی ضرورت ہو گی ہم خود مول لے آئیں گے۔ ہاں کوئی نذر نیاز کی چیز ہو تو مسجد میں بھیج دی جایا کرے۔''

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

تتلی بائی

محبت کا جذبہ پہلے انسان کے دل میں کب بیدار ہوتا ہے' اس کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں' بعض لوگ لڑکپن ہی سے عاشق مزاج ہوتے ہیں اور بعض بلوغت کو پہنچ کے بھی اس جذبے سے بے بہرہ ہی رہتے ہیں۔

میری عمر کوئی نو دس برس کی ہو گی کہ مجھے عشق ہو گیا۔ عہد طفلی کا وہ معصوم عشق نہیں جو کھلونوں سے بہل جاتا ہے بلکہ سچ مچ کا ہجر و وصال والا عشق جس میں محبوب کی یاد آہیں بھرواتی ہے۔ دل میں ہوک اٹھتی ہے۔ چہرہ کا رنگ زرد رہنے لگتا ہے بھوک پیاس کی سدھ نہیں رہتی۔

جس نے مجھے اس مرض میں مبتلا کیا وہ میری ہم عمر لڑکی نہ تھی بلکہ بیس بائیس برس کی ایک پوری جوان عورت تھی۔۔۔۔۔۔۔ ایک خوبصورت ایکٹریس!

ان دنوں ہم جس محلے میں رہتے تھے اس کے قریب ہی ایک تھیٹر تھا اس کے پچھواڑے ایک گلی جس میں کئی چھوٹے چھوٹے مکان تھے۔ ان مکانوں میں متوسط درجے کے لوگ رہا کرتے تھے علاوہ ازیں کچھ کمرے تھیٹر کے مالک نے اپنے ایکٹروں کے رہنے کے لئے کرائے پر لے رکھے تھے۔ اس ایکٹرس کو جو دو کمرے دیئے گئے وہ ہمارے مکان کے بالکل سامنے تھے اور خاص کر وہ کمرہ تو جس میں وہ سویا کرتی تھی میرے اس چھوٹے سے کمرے کے عین مقابل تھا جو والد نے مجھے لکھنے پڑھنے کے لئے دے رکھا تھا۔ اس کا کمرہ روشنی کے کچھ ایسے رخ پر تھا کہ باوجود اس چق کے جو ہر وقت اس کے دروازے پر پڑی رہتی تھی' مجھے کمرے کی ایک ایک چیز صاف دکھائی دیتی تھی' چنانچہ میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے اسے دن رات دیکھا کرتا۔ سوتے جاتے' اٹھتے بیٹھتے' سنگھار کرتے' کھانا کھاتے۔ کبھی کبھی میں اپنے کمرے کی کھڑکی بند کر لیتا تاکہ اس کے شیشوں میں سے اسے اور آزادی کے ساتھ دیکھ سکوں۔

میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ والد کی کاروباری مصروفیتیں انہیں دن بھر گھر سے باہر رکھتیں۔ والدہ کا وقت زیادہ تر باورچی خانے میں کٹتا کھانا پکانے سے فرصت ملتی تو سینا پرونا لے بیٹھتی' غرض گھر میں مجھے اس تاک جھانک سے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

وہ ایک دبلی پتلی نازنین سی عورت تھی۔ پتلی بائی کا نام اس پر خوب پھبتا تھا۔ قد کسی قدر لمبا' بال سیاہی میں سنہرا پن لئے ہوئے جو اس کی کمر تک پہنچتے' بلور کی طرح صاف شفاف جسم' چہرہ کندن کی طرح دمکتا ہوا' ماتھے پر سرخ بندی' نشیلی نشیلی آنکھیں جنہیں کاجل سے لمبا لمبا بنا لیا جاتا اور جو مصر قدیم کی عورتوں کی آنکھوں کی یاد دلاتی تھی۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی رچی ہوئی' حرکات میں ایک تھکی تھکی سی کیفیت۔ صبح کو جس وقت وہ انگڑائی لیتی ہوئی پلنگ سے اٹھی تو اس کی لمبی لمبی لچکتی ہوئی بانہوں میں شاخوں کی سی ادا پیدا ہو جاتی۔

اس کا شب خوابی کا لباس بس باریک ململ کی ایک سفید دھوتی تھا جسے وہ بے پروائی سے اپنے گرد لپیٹے رکھتی اور جس میں سے اس کے جسم کے خطوط و خم کی ساری رعنائیاں پھوٹی پڑتیں۔ اسے پھولوں کا بہت شوق تھا۔ میں نے اس کی سنگھار میز کسی روز بھی پھولوں کے گلدستے سے خالی نہیں دیکھی۔ کبھی کبھی اس کی خواب گاہ کی کسی دیوار کی کسی کھونٹی پر بھی پھولوں کا ہار ٹنگا ہوا نظر آتا۔ وہ خود بھی اپنے جسم کو پھولوں کے طرح طرح کے گہنوں سے آراستہ کیا کرتی' چنانچہ صبح کو اس کے بستر پر' گلے میں' کانوں میں' کلائیوں پر' جوڑے میں پھول ہی پھول دکھائی دیتے۔ رات بھر میں وہ باسی ہو جاتے اور صبح کو وہ انہیں نوچ نوچ کر پھینک دیتی۔ یہ وہ پھول تھے جو ہر روز رات کو اس کے مداح اسٹیج پر اس پر نچھاور کیا کرتے تھے۔

میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ایک حیرت کے عالم میں اس کی کیفیت دیکھا کرتا۔ گھنٹوں دیکھتے رہنے پر بھی سیری نہ ہوتی۔ خاص کر اتوار کو جب مجھے اسکول سے چھٹی ہوتی تو میں اسکول کے کام کے بہانے سارا دن اپنے کمرے میں پڑا رہتا اور اس کو مختلف کیفیتوں میں دیکھا کرتا۔ اور جب مجھے طوعاً کرہاً اسکول جانا پڑتا تو وہاں بھی میرا وقت اسی کے خیال میں کٹتا۔ کئی بار میری بے خیالی اور سبق سے عدم توجہی پر استاد میری سرزنش کر چکے تھے' چنانچہ مجھ کو بڑی کوشش کے ساتھ اپنا دھیان کتاب کی طرف لگانا پڑتا مگر جیسے ہی اسکول کی چھٹی ہوتی بھاگا بھاگا ہوا گھر پہنچتا اور سب سے پہلے اپنے کمرے میں پہنچ کر اپنی محبوبہ پر ایک نظر ڈالتا۔ وہ عموماً اس وقت تک ریہرسل سے آ چکی ہوتی اور غسل کر کے سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے سیاہی مائل سنہرے بالوں میں کنگھی کر رہی ہوتی۔

کبھی کبھی وہ آئینے کے سامنے بیٹھی خود اپنے حسن کا مشاہدہ کرنے میں محو ہوتی وہ اپنے جسم کو گھما پھرا کر مختلف زاویوں سے اس پر ناقدانہ نظریں ڈالتی۔ ایسے میں میں چپکے سے اپنے کمرے کے دروازے میں اندر سے کنڈی لگا لیتا اور اس کے ساتھ ہی کھڑکی کے پٹ بند کر دیتا تاکہ اسے شبہ تک نہ ہو کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اور چپکے چپکے کھڑکی کے شیشے میں سے اسے دیکھتا رہتا۔ اس کا یہ انداز مجھے ان قدیم یونانی مرمریں مجسموں کی یاد دلایا کرتا جنہیں میں نے اپنے شہر کے عجائب خانے میں دیکھا تھا۔

اس کے ساتھ کوئی مرد نہ تھا بس ایک بوڑھی ماما تھی جو اوپر کا کام بھی کرتی اور ہنڈیا بھی پکاتی تھی۔ یہ کام وہ دوسرے کمرے میں

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

انجام دیتی اور میری محبوبہ زیادہ تر اپنی خواب گاہ ہی میں رہا کرتی۔ اس سے کوئی ملنے نہیں آتا تھا' البتہ کسی کسی شام تھیٹر کا مالک موٹر لے کر نیچے آ جاتا اور ہارن بجاتا۔ وہ پہلے ہی سے تیار ہوتی اور اس کے ساتھ موٹر کار میں بیٹھ کر سیر کو چلی جاتی۔ ایسے موقعوں پر میں اس سے پہلے ہی گلی سے باہر سڑک پر پہنچ جایا کرتا تاکہ قریب سے اس کو ایک نظر دیکھ سکوں۔ اس سے آنکھیں چار کرنے کی مجھ میں کبھی جرات نہیں ہوئی۔ میں عموماً اسے چھپ چھپ کے یا صرف اس وقت گھورا کرتا جب وہ میری طرف نہ دیکھ رہی ہوتی۔

میرے والد پرانے خیال کے آدمی تھے اور تھیٹر تماشے کو برا جانتے تھے۔ میں کبھی یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ مجھے تھیٹر جانے کی اجازت مل جائے گی۔ اس لئے اپنی محبوبہ کو اسٹیج پر دیکھنے کی حسرت میرے دل ہی میں رہتی۔ البتہ میں اس کی آواز برابر سنا کرتا اس کے لئے مجھے راتوں کو جاگنا پڑتا۔ پچھلے پہر جب سب سو جاتے تو رات کے سناٹے میں اس کی آواز تھیٹر سے ہمارے گھر تک صاف سنائی دیا کرتی اور میں اس کے سریلے نغموں کو سن سن کر میٹھے سپنوں میں کھو جاتا۔

دن پر دن گزرتے گئے اور میرا عشق بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں روز بروز دبلا ہوتا گیا۔ میرے چہرے کا رنگ زرد رہنے لگا۔ آنکھوں کے نیچے گڑھے پڑ گئے میں ہر وقت سہما سہما سا رہتا۔ کسی سے آنکھ ملا کے بات کرنے کی مجھے جرات نہ ہوتی۔ شاید ڈرتا تھا کہ کہیں میری آنکھیں میرے دل کا راز فاش نہ کر دیں۔

میرے ماں باپ نے میری یہ حالت دیکھی تو سخت فکر مند ہوئے۔ والد مجھے ایک حکیم صاحب کے پاس لے گئے۔ وہ حضرت دیر تک میری نبض دیکھا کئے مگر انہیں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ مجھے کیا مرض ہے۔ فرمانے لگے۔ ''لڑکا پڑھنے میں بہت محنت کرتا ہے' اسے خشکی ہو گئی ہے۔'' اور انہوں نے کئی قسم کی مرغن غذائیں میرے لئے تجویز کیں۔ میرے لئے گھر کا معمولی کھانا بھی زہر تھا' ان غذاؤں سے رغبت کیونکر پیدا ہوتی چنانچہ والدہ کے سخت اصرار پر دو چار نوالے حلق سے اتار کے ہاتھ کھینچ لیتا۔

یہ تو گھر کا حال تھا۔ اسکول میں مجھے اور بھی مشکل پیش آتی' وہاں میری تندرستی کی تو کسی کو فکر نہ تھی۔ البتہ تعلیم کی طرف سے بے پروائی کسی طرح بھی برداشت نہ کی جا سکتی تھی اور میری یہ کیفیت تھی کہ مجھے معلوم نہ ہوتا کہ استاد پڑھا کیا رہے ہیں' وہ مجھے سزائیں دے دے تھک گئے تھے' انہیں حیرت تھی کہ وہ لڑکا جس کو وہ ہونہار سمجھ رہے تھے' اچانک غبی کیونکر ہو گیا۔

گھر آ کر جب میں کھڑکی میں سے اپنی محبوبہ کو دیکھتا تو خوشی کی ایک لہر میرے سارے جسم میں دوڑ جاتی اور میں دن بھر کی تکلیفیں بھول جاتا۔

ایک دن مجھے سکول سے جلد ہی چھٹی مل گئی۔ مجھے خوب یاد ہے یہ بڑا سہانا دن تھا۔ کئی روز مسلسل گرمی اور دھوپ کے بعد آسمان

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

پر ابر چھایا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ میرے ساتھی تو گیند بلا اور فٹ بال لے کر خوشی خوشی کھیل کے میدان کی طرف چلے اور میں نے گھر کی راہ لی۔ جلد جلد مکان کی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں پہنچا کھڑکی سے جھانکا تھا کہ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میری محبوبہ جن دو کمروں میں رہتی تھی وہ خالی پڑے تھے' چقیں اتار لی گئی تھیں اور کھلے دروازوں کے کواڑ ہوا سے ہل رہے تھے۔ میں دوڑ کر نیچے گلی میں پہنچا اور بازار کی طرف گیا' جدھر تھیٹر کا دروازہ تھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ تھیٹر کے پردے اور ساز وسامان چھکڑوں پر لادا جا رہا ہے' میں بھونچکا رہ گیا۔ کمپنی کا ایک ملازم لڑکا اسباب لدوا رہا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے پوچھا۔

''یہ کمپنی کہاں جا رہی ہے؟''

''دوسرے شہر کو۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہاں سے کب واپس آئے گی؟''

''واپس نہیں آئے گی' وہاں سے کسی اور شہر کو چلی جائے گی۔''

''کیا یہاں پھر کبھی نہیں آئے گی؟''

''کیا پتہ' شاید پانچ چھ برس کے بعد پھر آنا ہو۔''

یہ سن کر مجھ پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ اس لڑکے کو میری حالت پر اچنبھا ہوا۔ وہ مجھ سے کچھ پوچھنے ہی کو تھا کہ میں جلد سنبھل کر وہاں سے بھاگ آیا۔

یہ بات تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ میں گرتا پڑتا گھر پہنچا۔ میں نے بے جان ہو کے اپنے آپ کو پلنگ پر پٹخ دیا۔ نہ جانے کب تک میں بے حس پڑا رہا جب ہوش آیا تو میرا جسم تنور کی طرح تپ رہا تھا۔ آئے دن نئے نئے ڈاکٹر حکیم مجھے دیکھنے آتے۔ والدہ دیر تک سجدے میں پڑی میری صحت یابی کے لئے دعائیں مانگا کرتیں اور طرح طرح کی منتیں مانتیں۔ آخر خدا نے مجھے شفا دی اور میں کوئی دو مہینے کے بعد بستر سے اٹھ بیٹھا۔

ان ہی دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ والد کو اپنا کاروبار کسی دوسرے شہر میں منتقل کرنا پڑا۔ چنانچہ ہم سب ان کے ساتھ اس شہر کو خیر باد کہہ کر وہاں جا بسے اور اس طرح تبدیلی آب وہوا سے میں رفتہ رفتہ بالکل اچھا ہو گیا۔

اس کے بعد جو دس برس گزرے ان میں میں نے تپلی بائی کو پھر کبھی نہیں دیکھا۔ اس عرصے میں میں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی اور والد کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اپنے لڑکپن کے عشق کو فراموش کر دیا تھا یا اس عورت کی یاد

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

میری دل سے محو ہو گئی تھی۔ میں اب بھی درد محبت کی اس خلش کو محسوس کرتا تھا۔ میں اب بھی اکثر اس کے تصور سے دل بہلایا کرتا تھا' البتہ اب میرے دل کو صبر آ گیا تھا اور اس کی یاد لذت بخش تھی۔

جب میری عمر پچیس برس کی ہوئی تو والد نے اپنے ایک عزیز دوست کی صاحبزادی سے' جو علاوہ قبول صورت ہونے کے' پڑھی لکھی بھی تھی' میرے رشتے کی بات ٹھہرائی مجھے شادی کی کچھ ایسی خواہش نہ تھی مگر والدین کی خوشی کے آگے میں نے سر جھکا دیا۔

شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جب شادی میں ایک مہینہ رہ گیا تو میں نے والدہ سے کہا کہ میں گرمیوں کے دو ہفتے اپنے ایک دوست کے پاس پہاڑ پر گزارنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کسی قدر تامل کے بعد مجھے اجازت دے دی' دراصل میں تاہل کے رشتے میں جکڑے جانے سے پہلے اپنی آزادی کے آخری دن فراغت سے گزارنا چاہتا تھا۔

وہ پہاڑی اسٹیشن جہاں میں اپنے دوست کے ہاں مہمان ٹھہرا تھا' اپنے پورے شباب پر تھا' موسم اتنا اچھا تھا کہ پچھلے کئی برس میں دیکھنے میں نہیں آیا تھا' چنانچہ چاروں طرف سے مخلوق ٹوٹ پڑی تھی۔ کوئی پورے سیزن کے لئے کوئی دو مہینے کے لئے اور کوئی ہفتہ بھر ہی کے لئے چلا آیا تھا۔ تمام ہوٹل اور مکان سیلانیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر مرفہ الحال لوگ تھے جو نشاط اور تفریح کی تلاش میں یہاں آئے تھے' ان کی بیٹیاں چست لباس پہن کر گھوڑے کی سواری کرتیں' لڑکے جوا کھیلتے' بیویاں شادی سے پہلے کے معاشقوں کے ہیروؤں کو جن کے جذبات سرد پڑ چکے ہوتے' رام کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ میک اپ کرتیں اور ان سے طرح طرح کے کام نکلوانے میں ہمہ تن مصروف رہتیں اور شوہر کلب میں اپنی جوانی کے پرانے دوستوں کے ساتھ مل کر وہسکی پیتے اور ایک دوسرے کو فحش لطیفے سناتے رہتے۔ جوان لڑکیوں اور لڑکوں سے کہیں زیادہ ادھیڑ عمر والوں کے رومان چلتے اور شادی بیاہ کے مرحلے طے ہوتے۔

میرا میزبان ایک عیال دار اور کاروباری شخص تھا' اس کو اپنے ہی جھمیلوں سے فرصت نہ تھی کہ میری طرف توجہ کرتا۔ چنانچہ اس نے مجھے بخوشی اجازت دے دی تھی کہ جہاں چاہوں جاؤں اور جب چاہوں آؤں اگر کھانے کے وقت پر آ جاؤں تو خیر ورنہ میرا انتظار نہ کیا جائے۔ اس طرح مجھے اس مقام پر آزادی سے گھومنے پھرنے کا خوب موقع مل گیا اور میں نے دس بارہ روز ہی میں خوب سیر و تفریح کر لی۔

ایک دن سہ پہر کو میں ایک لمبی سڑک پر جو ایک اونچے پہاڑ کے گرداگرد تقریباً ہموار چلی گئی تھی' چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے دو عورتوں کو آتے دیکھا۔ یوں تو اس سڑک پر ایک سے ایک فیشن ایبل عورت نظر آئی تھی مگر ان کا انداز مختلف تھا۔ ان کے سنگھار اور

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

لباس میں بھڑک کم اور سادگی زیادہ تھی۔ وہ ہلکے رنگوں کی ساڑھیاں پہنے ہوئے تھیں' ایک ہی نظر میں میں نے اپنے بچپن کی محبوبہ تھیٹر کی ایکٹرس تپلی بائی کو پہچان لیا۔ ہر چند وہ اب ادھیڑ عمر ہو گئی تھی اور جسم میں کسی قدر بھاری بھر کم پن بھی آ گیا تھا مگر سنگھار اور چست لباس نے ابھی تک اسے جوان بنائے رکھا تھا۔ اس کا حسن آج بھی ویسا ہی نظر فریب تھا جیسا کہ پندرہ برس پہلے میں نے دیکھا تھا۔ بال ویسا ہی سیاہی میں سنہرا پن لئے ہوئے' چہرہ پہلے سے زیادہ دمکتا ہوا' وہی نشیلی نشیلی سی آنکھیں جو مجھے بے خود بنایا کرتی تھیں' پھولوں سے اس کا شوق بدستور معلوم ہوتا تھا کیونکہ ڈیلیا کا ایک سیاہی مائل سرخ پھول اس کے جوڑے کی زینت تھا۔

اس کو دیکھ کر میں مبہوت رہ گیا۔ پھر لمحہ بھر ہی میں میرے دل میں اپنے لڑکپن کا خوابیدہ جذبہ عشق ایک طوفان کی طرح امنڈ نے لگا۔ اب میں لڑکا نہیں تھا بلکہ پچیس برس کا ایک پورا جوان تھا۔ میرے احساسات اب مبہم نہیں رہے تھے بلکہ واضح اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔ اب میں بخوبی سمجھنے لگا تھا کہ ایک مرد جب کسی عورت سے محبت کرتا ہے تو وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔

تپلی بائی کے ساتھ جو نوجوان لڑکی تھی وہ بھی حسن و جمال میں اس سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ شباب نے اس کے حسن کو کچھ اور زیادہ ہی شاداب بنا دیا تھا لیکن مجھ کو اس کے حسن و شباب سے کیا غرض تھی۔ میری نظریں تو اپنی محبوبہ کے پیارے پیارے چہرے پر ہی گڑی ہوئی تھیں۔

ذرا سی دیر میں وہ دونوں میرے سامنے سے گزر گئیں۔ میں پلٹا میرے قدم مجھے بے اختیار ان کے پیچھے پیچھے لے گئے۔ تقدیر نے یوں غیر متوقع طور پر مجھے اس کے دیدار کا جو موقع دیا تھا۔ میں چاہتا تھا اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں۔ اس کو جی بھر کے دیکھ لوں' پھر کون جانے کب دیکھنا نصیب ہو یا ممکن ہے کہ شادی کے بعد میں اس کے خیال تک کو گناہ سمجھنے لگوں لیکن ابھی تک تو میں آزاد تھا۔

وہ دیر تک اس سڑک پر چہل قدمی کرتی رہیں۔ میں بھی ان سے تھوڑی دور رہ کر ان کا تعاقب کرتا رہا۔ جب کبھی وہ سورج اور بادلوں یا نیچے پھیلی ہوئی وادی کا نظارہ کرنے ٹھہر جاتیں تو میں بھی رک جاتا لیکن اس طرح کہ میری بیگانگی کا بھرم قائم رہے۔ کبھی کبھی وہ سڑک کے کنارے زمین پر لگی ہوئی کسی دکان پر چیزیں دیکھنے ٹھہر جاتیں تو میں ان سے آگے بڑھ جاتا۔ مگر تھوڑی ہی دور جا کر لوٹ آتا۔ اس طرح مجھے اپنی محبوبہ کا چہرہ اچھی طرح دیکھنے کا موقع مل جاتا۔

غروب آفتاب کے بعد وہ سیر سے لوٹیں اور تھوڑی دیر میں ایک متوسط درجے کے فیشن ایبل ہوٹل میں پہنچ گئیں' میں دل میں بہت خوش ہوا کہ میں نے ان کی قیام گاہ کا پتہ لگا لیا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ چاہتا بھی نہ تھا۔ نہ مجھے اس کے حالات معلوم کرنے کی خواہش تھی نہ یہ جاننے کی کہ وہ تھیٹریکل کمپنی میں کام کرتی ہے یا اس پیشے سے الگ ہو گئی ہے۔ میں تو فقط اس کی صورت کا دیوانہ تھا

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

جیسے کسی کو آرٹ کی کوئی تصویر عزیز ہو۔

اگلے روز دیدار کی ہوس مجھے کشاں کشاں اس ہوٹل کی طرف لے گئی' کوئی دو گھنٹے کے بعد جس کے دوران میں میں نے ہوٹل کے پچاسوں چکر کاٹ ڈالے ہوں گے' وہ دونوں پھر نمودار ہوئیں۔ آج انہوں نے اور ہی رنگوں کی ساڑھیاں پہن رکھی تھیں۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پھر تعاقب کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ انہیں واپس ہوٹل میں نہ پہنچا دیا۔

تیسرے دن جو اس پہاڑ پر میرے قیام کا آخری دن تھا' میری بے قراری کچھ زیادہ بڑھ گئی تھی اور میں نے صبح ہی سے ہوٹل کا طواف شروع کر دیا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب وہ نمودار ہوئیں اور کوئی گھنٹہ بھر تک دکانوں میں خرید و فروخت کرنے کے بعد وہ پھر ہوٹل میں پہنچ گئیں۔ میرے دل نے وہاں سے جانا گوارا نہ کیا اور میں نے وہ دن اسی ہوٹل کے پاس گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

سہ پہر کو چار بجے وہ پھر ہوٹل سے نکلیں۔ میں انتظار کرتے کرتے تھک کے چور ہو گیا تھا مگر اپنی محبوبہ کو دیکھنا تھا کہ اچانک مجھ میں پھر چستی اور توانائی پیدا ہو گئی۔ چونکہ اسے دیکھنے کا یہ آخری موقع تھا اور میرا دل اس کے قرب کا متمنی تھا۔ اس لئے میں نے ساری احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر ان کے قریب قریب ہو کر چلنا شروع کر دیا۔ شام ہو چکی تھی' ہم ایک چھوٹی سی بل کھاتی ہوئی سڑک پر چلے جا رہے تھے' نیچے میلوں تک وادی پھیلی ہوئی تھی جس پر دھند کی چادر گہری ہونی شروع ہو گئی تھی۔ دیوار کے اونچے اونچے درختوں کے لامتناہی سلسلے سڑک کے کنارے سے شروع ہو کے نیچے کھڈوں میں دور دور تک چلے گئے تھے۔ مغرب میں سرمئی بادل شفق کے لالہ زار پر چھائے جا رہے تھے۔ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت کم ہو چلی تھی۔ ہوا نرم اور سبک تھی۔ میں ایک نشے کے عالم میں بہا چلا جا رہا تھا۔ اس وقت میرے اور ان کے درمیان پانچ سات قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

اچانک ایک موڑ پر پہنچ کر بچی بائی پیچھے مڑی اور مجھے گھورنے لگی۔ میرے قدم وہیں جم کے رہ گئے اور اتنی ہمت نہ ہوئی کہ ان کے پاس سے گزر جاؤں وہ نہایت غصے میں تھی' اس کی آنکھوں سے قہر و غضب برس رہا تھا۔ اس نے بلند آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے گویا وہ سٹیج پر ایکٹ کر رہی ہو مجھ سے کہا:

"بدمعاش تو میری بیٹی کا پیچھا کرنے سے باز نہیں آئے گا۔ میں تجھے پولیس کے حوالے کر دوں گی۔"

مجھے چکر آ گیا۔ اگر میں جلدی سے ایک درخت کی ٹہنی کو نہ تھام لیتا تو میرا کھڈ میں گر پڑنا یقینی تھا۔ خدا معلوم وہ لوگ کب اور کدھر چلے گئے۔ خدا معلوم میں کب اور کس راستے سے اپنے ٹھکانے پر پہنچا لیکن وہ دن اور آج کا دن اپنے بچپن کے اس رومان کی یاد سے جی بہلانے کی میرے دل میں پھر کبھی خواہش پیدا نہ ہوئی۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

مکرجی بابو کی ڈائری

کئی روز کی مسلسل مصروفیتوں کے بعد ورما ایشیاٹک کمپنی کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر مکرجی بابو کو فراغت کی ایک شام نصیب ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ اسے یونہی نہیں گنوانا چاہئے۔ لندن کی ایک تنگ اور پر پیچ گلی میں جو پکاڈلی سرکس سے زیادہ دور نہ تھی' ایک پرانے مکان کی چوتھی منزل پر ایک چھوٹا سا دفتر تھا۔ دفتر ایک مختصر سا بیڈ سٹنگ روم تھا جس کو دو تین چھوٹی چھوٹی میزوں' کرسیوں' ٹائپ رائٹرز' میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون اور فائلوں کی کثرت نے جنہیں کمرے کے گوشوں میں تلے اوپر بڑی ترتیب سے چنا گیا تھا۔ اچھا خاصا کاروباری رنگ دے دیا تھا۔

مکرجی بابو آج دفتر میں اکیلے ہی تھے' کیونکہ ڈائریکٹر پچھلے روز پیرس کے ہفتہ بھر کے دورے پر چلا گیا تھا اور سوئس ٹائپسٹ لڑکی نے' جس کا کام دفتر کی دیکھ بھال اور جھاڑ پونچھ بھی تھا' دانت کے درد کی وجہ سے چھٹی لے لی تھی' چنانچہ وہ خود کو بہت آزاد محسوس کر رہے تھے۔

مکرجی بابو کو لندن آئے پندرہ برس سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا۔ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ باپ نے انجینئری کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا مگر تعلیم ختم نہ ہوئی تھی کہ جنگ چھڑ گئی۔ انہوں نے انجینئری کو تو خیر باد کہا اور اے آر پی میں بھرتی ہو گئے' اسی دوران میں باپ کا انتقال ہو گیا۔ بڑے مکرجی نے کچھ زیادہ جائداد نہیں چھوڑی تھی اور حقدار کئی تھے' چار تو بیٹے ہی تھے چنانچہ انہوں نے وطن کو لوٹنا زیادہ سود مند نہ سمجھا اور روزی کمانے کے لئے یہیں ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ شروع شروع میں انہوں نے کئی دھندے کئے مگر کام نہ چلا۔ آخر ایک ہم وطن بھائی کے ساتھ مل کر ایک کمپنی کھول لی۔ اس کام میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی مگر وہ خود درآمد برآمد کے چکر میں ایسے پھنسے کہ یہیں کے ہو رہے۔

مکرجی بابو نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی۔ گرجا گھر کی مخروطی چوٹی کے پیچھے مٹیالا سا آسمان نظر آ رہا تھا۔ یہ جولائی کی ایک نسبتاً گرم سہ پہر تھی۔ صبح کو سورج خاصا تیزی سے چمکا تھا مگر بارہ بجتے بجتے بادل گھر آئے تھے جو اب چھٹنے شروع ہو گئے تھے' غرض موسم کی طرف سے زیادہ اندیشہ نہ تھا اور ایک دلچسپ شام گزارنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

لندن میں سینما' تھیٹر اور راگ رنگ کی محفلوں کو چھوڑ کر تفریحات کے بیسیوں اور ذریعے ہیں جو ندرت' رومان' لذت پرستی اور مہنگائی کے مختلف درجے رکھتے ہیں' ان میں سے بعض بہت گراں ہیں اور خطرناک نتائج کے حامل بھی ہو سکتے ہیں' مثلاً ے فیری کی کسی کلب کو رونق بخشنا اور کسی پری کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرنا اور بعض بالکل معصوم جن پر کچھ بھی خرچ نہیں آتا مثلاً ٹرافالگر سکیئر میں کبوتروں کو دانہ کھلانا۔ عین بھیڑ بھڑکے کے وقت خود کو لندن کی ٹیوب کے ہجوم میں گم کر دینا۔ مکر جی بابو کا تفریح کا طریق اوروں سے کسی قدر مختلف تھا۔ وہ پہلے کسی ہم صحبت سے ملاقات کی ٹھہراتے اور پھر باقی پروگرام اس کی مرضی پر چھوڑ دیتے تھے چنانچہ آج بھی انہوں نے اسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔

انہوں نے میز کی دراز سے ایک پرانی' سیاہ جلد والی کتاب نما ڈائری نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگے۔ ڈائری کے کنارے پر انگریزی کے حروف تہجی مرقوم تھے اور ان ہی کے مطابق وہ مختلف جزوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ان کی ملاقات طبقہ اناث کی جن جن دلچسپ ہستیوں سے ہوتی تھی وہ ان کا نام پتہ' ٹیلی فون نمبر' ابتدائی ملاقات کا حال اور کئی اور ضروری اور کارآمد باتیں اس ڈائری میں درج کرتے گئے تھے۔ یہ ڈائری ان کی برسوں کی رفیق تھی اور ہر قسم کی تفریح مہمات پر مشعل ہدایت کا کام دیتی تھی۔

مکر جی بابو کو "اے" کے جزو میں سب سے پہلے جو نام نظر آیا تھا وہ ایڈمز' مس پیٹریشیا ایڈمز اس کے ذیل میں پتہ اور ٹیلی فون نمبر کے بعد یہ باتیں بطور یادداشت لکھی تھیں:

سکاٹ لینڈ کی رہنے والی' عمر ستائیس برس' ریڈ کراس کے دفتر میں سیکریٹری' روپہلے بال' لمبا قد' دانت خراب' وعدے کی پابند' صرف شیری پیتی ہے' پہلی ملاقات ہمپٹن کورٹ میں۔

دو گھنٹے کی تفریح میں جس میں ہندوستانی کھانا شامل ہے' کل خرچ تین پونڈ۔

مکر جی بابو نے ٹیلی فون اٹھایا:

"کیا میں مس ایڈمز سے بات کر سکتا ہوں؟۔۔۔۔۔۔ شکریہ۔۔۔۔۔۔ ہیلو پیٹ کہو کیسی ہو؟ مدت سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کہو چوٹ کا کیا حال ہے؟ کون سی چوٹ؟ ارے بھول گئیں۔ اس دن سرپنٹائن میں کشتی چلاتے ہوئے چوٹ آ گئی تھی نا کہنی میں۔۔۔۔۔۔ اب یاد آیا' اچھی ہو گئی' مجھے سن کر خوشی ہوئی۔ سنو! آج شام فارغ ہو؟۔۔۔۔۔۔ نہیں؟۔۔۔۔۔۔ ارے یہ کیوں؟۔۔۔۔۔۔ سر میں درد ہے؟ خیر تو نہ سہی۔۔۔۔۔۔ کیا کہا۔۔۔۔۔۔ کل آ سکتی ہو' بھئی کل شاید مجھے فرصت نہ ہو' بہر حال ٹیلی فون کر لینا۔۔۔۔۔۔ ہاں موسم برا نہیں' بادل چھٹ رہے ہیں' اچھا خدا حافظ پیٹ!"

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

اے میں انہیں جین اینڈرسن‘ شیلا آرنلڈ‘ ریٹا اٹکن سن کے نام نظر آئے‘ مگر انہوں نے درخور اعتنا نہ سمجھا اور ورق الٹتے چلے گئے۔

بی کے جزو میں ان کی نظر مس مارجری بلس پر پڑی اور وہیں اٹک کر رہ گئی۔ عمر بائیس برس‘ قومیت خالص انگریز‘ برٹش میوزیم میں ملازم ہے وہیں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

سیاہ چمکدار بال‘ خوب صورت آنکھیں جو کبھی نیلی ہوتی ہیں کبھی سبز‘ الہڑ حسینہ‘ غم ناک فلم دیکھنے کا شوق‘ فلم دیکھ کر بسورتی رہتی ہے۔۔۔۔۔۔ رات کو ایسٹ اینڈ کی سیر کی شوقین۔

کریم و مال ٹوئی پر اخصوصیت سے پسند کرتی ہے۔ اصرار سے جن بھی پی لیتی ہے مگر بیئر ہرگز نہیں پیتی۔

عام طور پر مہنگی رہتی ہے۔ جیب میں احتیاطاً پانچ پونڈ رکھنے چاہئیں۔

”ہیلو مارجری۔۔۔۔۔۔ کہو کیسی ہو۔۔۔۔۔۔ نہیں بتاتے۔۔۔۔۔۔

بوجھو تو جانیں‘ ارے پگلی میں ہوں تمہارا مکو۔ کہو آج شام آ سکتی ہو؟ کیا کہا نسبت ٹھہر گئی تمہاری؟ سگائی ہو گئی تمہاری‘ ارے کس کے ساتھ؟ ارے بتا دو ہم نہیں بتائیں گے کسی کو‘ وہ کون خوش قسمت شخص ہے۔۔۔۔۔۔؟ اچھا نہ سہی لیکن مبارک باد تو قبول کر لو۔۔۔۔۔۔ شادی کے بعد مجھ سے ضرور ملنا۔۔۔۔۔۔ ہاں صبح کو سورج نکلا تھا‘ بڑا پیارا پیارا‘ پھر بادل چھا گئے‘ لو اب بادل چھٹ رہے ہیں اچھا ماج‘ خدا حافظ‘ بہت بہت مبارک باد۔۔۔۔۔۔“

مکرجی بابو نے دل میں کہا۔ ”یہ بھی ٹھیک ہی رہا کہ وہ آ نہ سکی کیونکہ جیب میں تو صرف تین پونڈ اور کوئی سات شلنگ ہی ہیں۔“ اور انہوں نے ڈائری کے اس ورق کے کونے پر جس پر مارجری بلس کا حال مرقوم تھا‘ کانٹے کا نشان بنا دیا اور پھر ورق الٹنے میں مصروف ہو گئے۔

اب کے وہ بی کے بقیہ اور سی ڈی ای کے تمام ناموں کو چھوڑتے ہوئے ایف پر رکے اور میڈموازیل سیمن فے ایٹ کے نام کے نیچے یہ عبارت پڑھنے لگے:

فرانسیسی نژاد‘ سنہرے بال‘ بڑی بڑی آنکھیں‘ چنچل‘ فربہ جسم‘ ہنستی ہے تو گال میں گڑھا پڑتا ہے۔

میڈ اویل میں ایک انگریز خاندان کے بچوں کی معلمہ ہے۔

ڈی ایپ سے پیرس کے سفر میں ملاقات ہوئی تھی‘ اور اس نے سیب کھانے کو دیا تھا۔

فرانسیسی ادب کی تعریف کرو تو خوش ہوتی ہے۔ شیری کے ساتھ ساتھ لائٹ ایل بھی پی لیتی ہے‘ ہندوستانی سالن اور پلاؤ سے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

رغبت ہے۔

وقت مقررہ سے آدھ پون گھنٹہ زیادہ انتظار کراتی ہے مگر پہنچ جاتی ہے۔خاصی مہنگی ہے۔

''ہیلوکون سیمن تم ہو بھئی' شکر ہے اس وقت تم گھر پر مل گئیں۔کہو کیا کر رہی ہو آج شام؟۔۔۔۔۔۔۔کیا کہا پیرس سے بہن آئی ہے اور اس کا میاں بھی؟ تب تو تمہیں بہت مصروفیت ہو گی۔ کہو تو میں بھی آ جاؤں۔۔۔۔۔۔۔ ارے تم تو پریشان ہو گئیں۔۔۔۔۔۔۔نہیں نہیں میں نے تو یونہی دل لگی سے کہا تھا' پھر کبھی سہی۔ ایلو سورج نکل آیا۔ موسم بہت سہانا ہو رہا ہے' خدا حافظ۔''

اتنی ناکامیوں کے بعد بھی کیا مجال جو مکر جی بابو کی پیشانی پر شکن تک پڑی ہو' جن حرفوں کے ناموں پر قسمت آزمائی کئے بغیر وہ آگے بڑھ گئے تھے۔ اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو بھی ابھی ڈائری میں بے شمار نام اور باقی تھے۔

مونیکا ہیزل۔۔۔۔۔۔۔عمر ۲۵ برس' ماں اطالوی' باپ انگریز' نائٹس برج کی ایک ملبوسات کی دکان میں ماڈل ہے' کچھ کچھ مصوری بھی جانتی ہے۔

سیاہ بال' سیاہ چشم' بالکل مشرقی حسن کا نمونہ' خوش مذاق' بذلہ سنج' کسی بات پر اصرار نہیں کرتی۔ زیادہ خرچ نہیں کراتی۔

ٹوٹنم کورٹ روڈ کے ایک حبشی ناچ گھر میں ملاقات ہوئی تھی۔

تین سے چار تک ٹیلی فون کے قریب رہتی ہے۔

انہوں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر نمبر ملانے لگے۔

''ہیلو۔۔۔۔۔۔۔ ہیلو بے بی' پہچانا تم نے؟ میں ہوں میں۔ اس رات اس آخری سیمبا کے بعد تم اچانک کہاں گم ہو گئیں تھیں؟۔۔۔۔۔۔۔اوہو معاف کیجئے گا میڈم کیا میں مس مونیکا ہیزل سے بات نہیں کر رہا؟ مجھے مغالطہ ہوا میڈم۔ میں سخت شرمندہ ہوں میڈم' کیا کہا آپ نے؟ مس ہیزل نے نوکری چھوڑ دی' آپ ان کی جگہ کام کرتی ہیں۔ میں اپنی غلطی پر دوبارہ معافی کا خواستگار ہوں۔ کیا فرمایا آپ نے؟ میں دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہوں؟ شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔۔۔۔۔۔۔ ہاں ہاں شاید کبھی ملاقات ہو جائے۔ خدا حافظ۔''

ٹیلی فون بند کر کے مکر جی بابو مسکرائے اور دل میں کہنے لگے۔''لیجئے ان خاتون سے آج ہی ملاقات ہو سکتی تھی' بس ذرا دعوت دینے کی دیر تھی مگر بلا جانے پہچانے' دیکھے بھالے' دعوت دینا شاید ٹھیک نہ رہتا۔ اے اس سے مونیکا کا پتہ ہی پوچھ لیا ہوتا فی الحال اس

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

نام کو خارج ہی سمجھنا چاہئے۔''

وہ حروف بے ''کے'' اور ایل کے ناموں سے گزرتے ہوئے ایم کے جزو میں ہیلن مگے خی کے نام کے نیچے یہ عبارت پڑھنے لگے۔

عمر چھبیس برس۔ سکاٹ لینڈ کی رہنے والی۔ ماربل آرچ کارنر ہاؤس میں خادمہ ہے۔ نیلی آنکھوں کے سوا چہرے میں اور کوئی جاذبیت نہیں مگر جسم خوب گداز ہے۔

تند خو۔ مگر شادی کی بات چیت کرو تو نرم پڑ جاتی ہے۔

گھر بنانے کی آرزو کا پے بہ پے اظہار۔ زیادہ میل جول خطرناک۔

کم خرچ بالانشین۔ دس شلنگ بھی پاس ہوں تو شام گزاری جا سکتی ہے۔

سہ پہر کو کام سے واپس آ جاتی ہے۔ گھر پر ٹیلی فون کرنا چاہئے۔

لینڈ لیڈی سے ہوشیار۔

یہ یادداشت پڑھ کر مکر جی بابو کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ مگر آخر کار انہوں نے نمبر ملا ہی ڈالا۔

''ہیلو میڈم۔ کیا میں مس مگے خی سے بات کر سکتا ہوں؟ بڑی نوازش ہوگی۔ کیا فرمایا آپ نے؟ کام میں مصروف ہیں' اس وقت نہیں مل سکتی؟ خیر کوئی بات نہیں میں دوبارہ ٹیلی فون کر لوں گا۔ آپ کو زحمت ہوئی معافی چاہتا ہوں شکریہ' بادل چھٹ رہے ہیں۔ بہت بہت شکریہ!''

لینڈ لیڈی کے درشت لہجہ سے نجات حاصل کر کے مکر جی بابو نے اطمینان کا سانس لیا' پھر دل میں کہنے لگے۔ ''اچھا ہی ہوا وہ نہ ملی' ورنہ اپنی جانب سے تو میں نے خطرہ مول لینے میں کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

اب وہ ڈائری میں حرف ٹی کے ناموں کی سیر کر رہے تھے:

مس نواٹریک۔

عمر اٹھائیس برس۔ کیمڈن ٹاؤن کے چاکلیٹ فروش کی بیٹی۔ کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹاتی ہے۔

فربہ اندام' نک سک سے درست مگر ذرا ڈھل گئی ہے۔

''ہیلو مہربانی کر کے ذرا مس نواٹریک سے ملوا دیجئے؟ ارے یہ تم ہی ہو۔ کہو کیا حال ہے۔ میری آنکھوں کی پتلی' میری راحت

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

جان' میں نے آواز تو پہچان لی تھی مگر ابھی ابھی ایک مغالطہ ایسا ہوا کہ محتاط ہونا پڑا۔۔۔۔۔۔کیا کہا؟ تم خود ٹیلی فون کرنے کی سوچ رہی تھیں؟ سچ؟ پھر تو میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ کہاں ملاقات ہو؟ پکاڈلی ٹیوب اسٹیشن پر؟ وقت عالم کے نقشے کے سامنے؟ بالکل ٹھیک!۔۔۔۔۔۔ہاں ہاں ٹھیک چار بجے۔ اس وقت تین بج کر پینتیس منٹ ہوئے ہیں' بس میں بھی ٹہلتا ٹہلتا پندرہ بیس منٹ میں وہیں پہنچ جاؤں گا اور پھر ہم تم پروگرام بنائیں گے۔ واللہ سچ ہے دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ اوہ سویٹ ہارٹ تم اس مثل کو نہیں سمجھتیں' یہ خالص مشرقی مثل ہے' میں آج تمہیں اس کا مطلب سمجھاؤں گا۔ دیکھو بادل چھٹ گئے ہیں۔ پیارا پیارا سنہرا سورج پھر نکل آیا ہے۔ انتظار نہ کرنا۔۔۔۔۔۔اچھا خدا حافظ میری جان!''

اور مکرجی بابو نے وہیں ڈائری بند کر دی۔ پھر ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ کرسی سے اٹھے' کھونٹی سے ہیٹ' مفلر اور بارانی اٹھائی اور دفتر سے نکل پکاڈلی سرکس کو ہو لئے۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ایک دردمند دل

آرکسٹرا نے ناچ کی ایک نئی دھن بجانی شروع کی اور ناچنے والے جن میں زیادہ تعداد لندن یونیورسٹی کے شعبہ السنہ شرقیہ و افریقیہ کے طلبا اور طالبات کی تھی، پھر مصروف رقص ہو گئے۔

ناچ کا یہ ہنگامہ لندن کی ایک بھیگی ہوئی سرد شام کو یونیورسٹی کی وسیع عمارت کے ایک کمرے میں برپا تھا۔ مجمع کچھ زیادہ بڑا تو نہیں تھا، پھر بھی دنیا کے چھ براعظموں میں سے کم از کم چار کی نئی پود کی نمائندگی کرتا تھا۔ یوں تو انگریزی زبان، لباس اور آداب مجلس نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا تھا مگر رنگ، خدوخال، لب ولہجہ اور چال ڈھال کے اختلافات قدم قدم پر کبھی کھلے بندوں اور کبھی چپکے سے ان کے غیر قوم ہونے کی غمازی کر دیتے تھے۔ بعض اوقات کسی زبان کے حروف تہجی کی محض ایک مخصوص صوت متکلم کی قومیت کا راز فاش کر دینے کے لئے کافی ہوتی تھی۔

فضل نے دوبارہ اسی سنہرے بالوں والی اجنبی لڑکی سے ناچنے کی درخواست کی جس کے ساتھ وہ ایک مرتبہ پہلے بھی ناچ چکا تھا۔ لڑکی نے اس کی درخواست کو کسی قدر تامل کے بعد منظور کر لیا اور وہ دونوں ناچنے والوں میں شامل ہو گئے۔

سنہرے بالوں والی لڑکی کا تامل کچھ رنگ اور قومیت کی تفریق کی بنا پر نہ تھا کیونکہ اول تو یونیورسٹی کی تقریبات میں یہ چیز لندن کی مجلسی زندگی میں کم دیکھنے میں آتی ہے۔ دوسرے ایسی پارٹیوں میں جو تعلیم ایک مقررہ معیاد ختم ہونے پر دی جاتی ہیں اور جن میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے بچھڑنے کے خیال سے جذباتی سے ہو کے کچھ زیادہ ہی اپنائیت جتلانے لگتے ہیں۔ اس کا امکان اور بھی کم رہ جاتا ہے۔ دراصل اس کے تامل کی وجہ یہ تھی کہ وہ فضل کے ساتھ رقص کر کے اس کی مہارت فن دیکھ چکی تھی اور وہ خود کو اس کے مقابلے میں کمتر پاتی تھی۔

ناچ کے چکر ایک دو تین، ایک دو تین کی تال پر مزے مزے چل رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ سازندے کچھ زیادہ سریلے نہ تھے اور طلباء سے امید بھی نہ ہو سکتی تھی کہ وہ لندن کے کسی چوٹی کے آرکسٹرا کا انتظام کریں گے۔ پھر بھی یہ لوگ نغمگی پیدا کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ ان کے چہروں کی سرخی و بشاشت اور چشم و ابرو کی جنبشیں کہے دیتی تھیں کہ وہ طلباء کو مایوس نہیں کریں گے۔

اس سنہرے بالوں والی لڑکی نے فضل کے ساتھ رقص کرتے ہوئے بالآخر خود ہی خاموشی کو توڑا:

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''آپ بہت اچھا ناچتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے فن کا ساتھ نہیں دے رہی۔''

''کسرنفسی سے کام نہ لیجئے۔'' فضل نے کہا۔ ''آپ بھی بہت اچھا ناچتی ہیں' یہ اور بات ہے کہ آپ کے پاس ڈپلومہ نہ ہو۔'' اور یہ کہہ کر وہ مسکرایا۔

''تو کیا آپ کے پاس ڈپلومہ ہے؟'' لڑکی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''جی ہاں اور کیا۔ باقاعدہ امتحان پاس کر کے سند حاصل کی ہے۔'' اور پھر وہ مسکرایا۔ ''مگر یہ سودا خاصہ مہنگا پڑا۔ ایک گنی کے تین سبق' مہینوں یہ سلسلہ جاری رہا۔''

''تو کیا اپنے ملک سے آپ یہی کام سیکھنے آئے تھے؟'' لڑکی نے کسی قدر طعن کے ساتھ پوچھا۔

''جی نہیں۔'' وہ بدستور مسکراتا رہا۔ ''میں قانون پڑھتا ہوں۔ ناچ تو مجھے مجبوراً سیکھنا پڑا۔''

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں وہ کیا مجبوری تھی؟''

''جی ہاں' وہ بات یوں ہے کہ پچھلی گرمیوں کی تعطیلات میں میرا ارادہ یورپ کی سیاحت کا ہوا مگر افسوس والد میری رائے سے متفق نہ ہو سکے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں لندن ہی میں رہ کے زیادہ سے زیادہ وقت پڑھنے لکھنے میں صرف کر دوں' چنانچہ مجھے یہیں اپنے لئے دلچسپی کا سامان پیدا کرنا پڑا۔''

''مگر معاف کیجئے' وہ ڈپلومہ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''یہ بات خاصی مذاق معلوم ہوتی ہے اور شروع شروع میں خود بھی اسے مذاق ہی تصور کرتا رہا۔ ہوا یہ۔۔۔۔۔۔ مگر دیکھئے یہ بات ذرا تفصیل کی محتاج ہے اور ناچ ختم ہوا چاہتا ہے۔ اگر آپ کو دلچسپی ہو تو ناچ کے بعد چند لمحوں کے لئے میری میز پر آجایئے گا۔ میں اکیلا ہی ہوں۔ میں آپ کو بتاؤں گا۔''

ناچ ختم ہوا مگر سنہرے بالوں والی لڑکی فضل کی میز کی طرف نہ گئی بلکہ ایک ٹولی میں' جو چھ سات یورپین اور ایشیائی لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل تھی شامل ہو گئی۔

فضل اکیلا ہی کونے میں اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگا کر پینے لگا۔

آرکسٹرا نے کئی اور دھنیں بجائیں' مگر وہ اپنی کرسی سے نہ اٹھا۔ اس دوران میں وہ لڑکی اپنی ٹولی کے نوجوانوں کے ساتھ دو تین مرتبہ ناچی۔ اس کا آخری ناچ ایک ناٹے قد کے بھاری بھرکم چینی نوجوان کے ساتھ تھا۔ فضل دور سے اس کا یہ ناچ بڑی دلچسپی سے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

دیکھتا رہا۔ ناچ ختم ہونے پر اچانک اس نے فضل کی میز کا رخ کیا اور مسکراتی ہوئی اس کے قریب آ کر کہنے لگی:

"لیجئے میں چند منٹ کے لئے اپنے دوستوں سے اجازت لے کر آ گئی ہوں' آپ جلدی سے اپنا قصہ بیان کر دیجئے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" فضل نے کہا۔ "ابھی عرض کرتا ہوں لیکن پہلے یہ پوچھنے کی اجازت دیجئے کہ آپ یہاں کس شعبے سے تعلق رکھتی ہیں؟"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ فوراً بول اٹھی۔ "میں اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔ میں تو ایک لائبریری میں کام کرتی ہوں' البتہ میری ایک سہیلی یہاں ملائی زبان کی اسٹوڈنٹ ہے اور وہی مجھے یہاں لائی ہے۔۔۔۔۔۔۔ آپ بھی تو یہاں نہیں پڑھتے؟"

"جی نہیں" وہ مسکرایا۔ "آپ ہی کی طرح میں بھی یہاں مہمان ہوں۔ فرق یہ ہے کہ میرے دوست کو ناچ گانے سے دلچسپی نہیں۔ اسے مجبوراً اس تقریب کا ٹکٹ خریدنا پڑا جو اس نے مجھے دے دیا۔"

لمحہ بھر خاموشی رہی۔

"میں آپ کو زیادہ دیر روکنا نہیں چاہتا۔" فضل نے کہا۔ "لہٰذا ڈپلومے کی بات عرض کرتا ہوں۔ وہ بات دراصل کچھ بھی نہیں۔ میں ایک پرائیویٹ ڈانسنگ اسکول میں جایا کرتا تھا۔ دو تین مہینے میں جب میرا جی بھر گیا تو میں نے اس سلسلے کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اسکول کی معلمہ جو سویڈن کی رہنے والی ایک ادھیڑ عمر عورت تھی' مجھ سے کہنے لگی' تم میں اس فن کے لئے قدرتی صلاحیت ہے' جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے' پھر تم نے خاصی فنی استعداد بھی پیدا کر لی ہے' اب اگر تم صرف چند ہفتے اور مشق کر لو تو تمہیں اس فن میں باقاعدہ ڈپلومہ مل سکتا ہے۔"

میں یہ سن کر بے اختیار مسکرایا۔ مگر اس نے اپنی متانت برقرار رکھی۔

"آخر اس کا فائدہ بھی کیا ہے۔"

"اور نقصان بھی کیا ہے؟" اس نے کہا۔

"آخر میں رضامند ہو گیا۔ اس خاتون نے مجھے ناچ کے کچھ خاص خاص پیشہ ورانہ گر بتلائے۔ چار پانچ ہفتہ بعد میرا امتحان ہوا اور سچ مچ مجھے ڈپلومہ مل گیا۔"

اور یوں فضل اور روز میری کی دوستی کی ابتدا ہوئی۔ شروع شروع میں وہ ہفتہ میں ایک آدھ مرتبہ ملتے مگر جلد ہی تین تین چار چار مرتبہ ملنے لگے۔ وہ کبھی کسی ٹیوب اسٹیشن کے باہر ملاقات کی ٹھہراتے کبھی ہائیڈ پارک میں' کبھی سرپنٹائن کے کنارے' کبھی البرٹ ہال

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

کے سامنے' دو چار ہی ملاقاتوں میں ویلز کی رہنے والی اس لڑکی کو اندازہ ہو گیا کہ فضل کی زندہ دلی' خوش کلامی' مہارت رقص اور خوش وضعی محض اوپری صفات ہیں' ورنہ در حقیقت وہ ایک ذہین' سنجیدہ طبع اور صالح نوجوان ہے جو اپنے اندر ایک دردمند دل رکھتا ہے۔ وہ چاہتا تو آسانی سے لندن کے عیش پسند اور نشاط طلب حلقوں کی آنکھ کا تارا بن سکتا تھا' مگر اس کی اسے کوئی تمنا نہ تھی' وہ طبعاً کم آمیز اور خلوت پسند تھا۔ روز میری کو یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ فضل کا حلقہ احباب بہت محدود ہے۔

رفتہ رفتہ روز میری نے اس کے دل کی گہرائیوں میں اترنا شروع کیا۔ اسے معلوم ہوا کہ فضل کو قانون سے جس کی تکمیل کے لئے اس کے والدین نے اسے ولایت بھیجا تھا' کوئی رغبت نہیں تھی۔ اس نے خود ہی یہ نتیجہ نکالا کہ شروع شروع میں فضل کا سیاحت یورپ کے منصوبے بنانا اور ان میں ناکامی پر رقص کی طرف رجوع کرنا قانون کی تعلیم سے فرار ہی کی ایک صورت تھا۔

پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ اپنے دل میں اپنے وطن کی خدمت کا' جو حال ہی میں غلامی سے آزاد ہوا تھا' شدید جذبہ رکھتا ہے۔ وہ ان سر پھرے نوجوانوں میں سے نہیں تھا جو غیر ممالک میں جا کر خدمت وطن کے لئے عجیب و غریب ہیولے بناتے ہیں۔ جنہیں عملی جامہ پہنانا مشکل ہوتا ہے۔ وہ کوئی سیدھا سادا مگر ٹھوس کام کرنا چاہتا تھا۔

"روزی۔" وہ کہتا "قانون بے شک ملک کی خدمت کا ایک ذریعہ ہے لیکن ذرا غور تو کرو مجھے اس کے لئے کتنے عرصے کا انتظار کرنا ہوگا۔ اگر میں دن رات ایک کر کے ہر سال امتحانات میں کامیابی حاصل کرتا رہوں تو بھی مجھے تین چار برس اور یہاں گزارنے ہوں گے' اور پھر امتحان پاس کر لینا ہی کامیابی نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی سالہا سال محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے' تب کہیں رفتہ رفتہ ناموری حاصل ہوتی ہے۔"

"تم اپنے والد کو صاف صاف کیوں نہیں لکھ دیتے؟" روز میری نے ایک دن پوچھا۔

"کچھ فائدہ نہیں۔" فضل نے کہا۔ "وہ بہت پرانے خیال کے آدمی ہیں جو اولاد کو اپنی مرضی سے ہانکنا چاہتے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ حصول زر کے لئے مجھے پڑھانا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے پاس پہلے ہی دولت کی فراوانی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ کسی نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ قانون کا سیاست سے گہرا تعلق ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کا خاندان دولت کے ساتھ ساتھ سیاسی اقتدار بھی حاصل کر لے۔"

ایک دن صبح کو روز میری اس کے کمرے میں آئی تو دیکھا کہ وہ بڑے انہماک سے کچھ اخباروں کے مطالعہ میں مصروف ہے۔ یہ اخبار اس کے وطن سے آج ہی موصول ہوئے تھے۔ روز میری کو دیکھتے ہی وہ اچھل پڑا اور بڑے جوش و خروش سے کہنے لگا:

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''روز جب میرے ملک کو آزادی ملی تو میں وہیں تھا۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ قومی ایثار و قربانی کا کتنا عظیم طوفان تھا جو میرے اہل وطن کے دلوں میں امنڈ رہا تھا۔ عورتیں اور مرد بوڑھے اور بچے خدمت وطن کی اس نئی لگن سے بے چین ہیں۔ کالجوں کے طلباء اپنی تعلیم کے بعد بیلچوں سے نہریں کھودتے' پل بناتے' مہاجر کے لئے جھونپڑیاں تیار کرتے' تعطیل کے دنوں میں استادوں اور طالب علموں کی ٹولیاں دیہات کا گشت کرتیں تاکہ دیہاتوں میں جنہیں ان کے پچھلے حکمرانوں نے مصلحتاً جاہل ان پڑھ رکھا تھا تعلیم اور حفظان صحت کا پرچار کریں۔''

''غلامی اور پسماندگی کے طویل زمانے کے باوجود میرے اہل وطن نے دنیا پر ثابت کر دیا تھا کہ وہ ذہانت' فراست' شجاعت' علم و فن' کسی بھی لحاظ سے اقوام عالم سے پیچھے نہیں ہیں۔ میرے ملک کی عورتوں نے اپنے چہروں سے نقاب اٹھا دیئے۔ قدامت پسندوں نے مخالفت کی مگر وہ جرات کے ساتھ اپنی چار دیواری سے باہر نکل آئیں اور للکاریں: دشمن جنگ پر زخمیوں کی مرہم پٹی کون کرے گا؟''

''تمہیں خبر ہے روزی میرے اہل وطن خوشی خوشی اپنے نور چشموں کو ہوابازی کے مدرسوں میں بھیج رہے ہیں۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں ہے کہ یہ بڑے جان جوکھوں کا کام ہے آزادی کے بعد میں نے اپنی فوج کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ وہ جوانان رعنا سینہ تانے بندوقیں اٹھائے اونچی بنے مادر وطن کے گیت گاتے جا رہے تھے۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مدت کی غلامی کے بعد پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ ان کی قربانیوں کو غیر کی دولت نہیں خرید سکے گی۔''

''میں نے دیکھا کہ تمام انسان یکا یک ایک دوسرے کے کیسے ہمدرد بن گئے ہیں' غلامی کے زمانے میں' میں پولیس والون کو ہمیشہ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا' رشوت خور' سفاک' بدزبان' اکھڑ' لیکن روز میری' اب میرا دل چاہا کہ بے اختیار ان سے لپٹ جاؤں۔ ان سے پیار کروں کیونکہ وہ میرے وطن کے امن کے محافظ ہیں۔''

''روز میری تم اندازہ کر سکتی ہو کہ آج کل میرے دل کی کیا کیفیت ہے' اور اگر مجھے تمہاری رفاقت اور ہمدردی نصیب نہ ہوتی تو میں یقیناً کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گیا ہوتا۔''

روز میری ایک حیرت کے عالم میں فضل کی یہ بے ربط سی تقریر سن رہی تھی' فضل کی کیفیت یہ تھی جیسے کوئی بخار میں دہک رہا ہو مگر روز میری کو اس کا ایک ایک لفظ انتہائی خلوص میں ڈوبا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے مادر وطن کی خدمت کا اس قدر شدید جذبہ کسی شخص میں نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ماں باپ بھائی بہن سب آسودہ حال تھے اور ویلز میں امن و عافیت کی زندگی گزار رہے تھے مگر اس کا مزاج ان سب سے مختلف تھا۔ وہ طبعاً بڑی حساس' نیک دل اور غم گسار لڑکی تھی۔ عالمگیر اخوت پر ایمان رکھنے والی۔ وہ

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

چاہتی تھی کہ دنیا میں اس کا وجود کسی مقصد کے لئے کارآمد ثابت ہو۔ یہی جذبہ اسے وطن سے جدا کر کے لندن لایا تھا مگر یہاں ابھی تک اسے تمنا کے پورا ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے وطن کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور وہ ان لاکھوں لڑکیوں میں سے ایک ہے جو ہر روز صبح شام لندن کی سڑکوں پر تیز تیز چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ اس کے سنہرے بالوں کی ایک لٹ اس کی پیشانی پر آ پڑی مگر وہ بدستور سوچ میں ڈوبی رہی۔

''فضل ۔۔۔۔۔۔ فضل ۔۔۔۔۔۔'' اس نے رک رک کر کہا'' کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے وطن کے کسی کام آ سکتی ہوں؟''

فضل یہ سن کر پہلے تو بھونچکا رہ گیا' ایک دم اچھل پڑا اور بے اختیار روزمری سے لپٹ کر اس طرح ناچنے لگا جیسے بچے ناچتے ہیں۔

اگلے روز اس نے اپنے باپ کے نام سے اس مضمون کا ایک تار بھیجا۔

''میں اب ایک لمحہ بھی قانون پر ضائع نہیں کرنا چاہتا' میں واپس آ رہا ہوں نیز میں نے شادی بھی کر لی ہے۔''

جس وقت جہاز وطن پہنچا تو فضل کو دیکھ کے بڑی مایوسی ہوئی کہ اس کے اقربا میں سے کوئی بھی اس کے استقبال کے لئے بندرگاہ پر نہیں آیا تھا۔ ہاں ایک پرانا نوکر جس نے فضل کو گودیوں میں کھلایا تھا موجود تھا' اپنے آقا زادے کو دیکھ کے وہ رو پڑا اور ایک خط نکال کے اسے دیا۔ اس کے والد نے لکھا تھا:

''برخوردار گھر کا رخ نہ کرنا۔ مجھ سے اب تمہیں کچھ واسطہ نہیں رہا۔''

وہ والد کی طرف سے اسی قسم کے سلوک کی توقع کر رہا تھا لیکن یہ امید نہ تھی کہ سارے کے سارے رشتہ دار اس سے برگشتہ ہو جائیں گے۔ روزمیری صورتحال کو بھانپ گئی۔ اس نے محبت سے فضل دین کا ہاتھ دبایا اور کہا:

''فکر نہ کرو۔ تمہارے ساتھ میں بھی نوکری کروں گی۔''

فضل نے اس کے سنہرے بالوں کی ایک لٹ ہاتھ میں لی' اسے جھنجھوڑا اور مسکرا دیا۔

اس کے والد نے شروع ہی میں اس کی تعلیم اور دوسرے اخراجات کے لئے ایک گرانقدر رقم لندن کے ایک بینک میں اس کے نام جمع کرا دی تھی۔ اس میں سے دونوں کے جہاز کے کرائے کے علاوہ وطن پہنچ کے بھی دو ایک ماہ تک ان کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا خرچ نکل سکتا تھا۔ وہ روزمیری کے ساتھ درمیانے درجے کے ایک انگریزی ہوٹل میں مقیم ہو گیا۔

دو چار دن میں جب سفر کی تکان اتر گئی تو اس نے ملک کے حالات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ہر چند ملک رفتہ رفتہ ترقی کر رہا تھا مگر نہ معلوم کیا وجہ تھی کہ لوگوں میں پہلا سا جوش و خروش نظر نہیں آتا تھا۔ اخبارات میں طالب علموں کے نہریں کھودنے اور پل بنانے کی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

خبریں بھی نہیں آ رہی تھیں' البتہ مہاجرین کا مسئلہ روز بروز سخت مشکلات پیدا کرتا جا رہا تھا جنہیں حل کرنے کی حکومت مقدور بھر کوشش کر رہی تھی۔

اگلے روز اس نے سرکاری دفاتر کے چکر لگانے شروع کئے۔ اسے بعض افسروں کے نام شناسا معلوم ہوئے اور ایک نوجوان افسر تو اس کے کالج کے زمانے کا دوست نکل آیا۔ وہ فضل سے بڑی گرمجوشی سے ملا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فضل نے اصل مقصد چھیڑا۔

''کیا سرکار مجھے کوئی کام دے سکتی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

دوست نے فوراً جواب دیا۔

''گورنمنٹ کی اونچی جگہیں تو تم جانتے ہی ہو گے مشتہر کی جاتی ہیں اور بڑی چھان بین کے بعد پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ پر کی جاتی ہیں۔ رہے کلرک تو ان کی پہلے ہی افراط ہے۔ کئی عارضی محکمے اس وجہ سے ابھی تک توڑے نہ جا سکے کے کارکنوں کا کیا حشر ہو گا۔ البتہ پرائیویٹ فرموں میں آئے دن اچھی اچھی جگہیں نکلتی رہتی ہیں۔''

فضل نے ہوٹل میں آ کر اخبارات میں ''ضرورت'' کے کالموں کا بغور مطالعہ کیا' منیجر اسسٹنٹ' سیلز مین' اکاؤنٹنٹ' ٹائپسٹ' بیسیوں ہی اسامیوں کے اشتہار تھے لیکن بدقسمتی سے وہ ان میں سے کسی کا بھی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ لڑکوں کے پڑھانے کے دو ایک اشتہار تھے۔ یہ کام البتہ وہ کر سکتا تھا کیونکہ اس نے کالج میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اس نے ان اسامیوں کے لئے درخواستیں بھیجیں جن میں اپنے کم سے کم اخراجات کا اندازہ کر کے تنخواہ لکھی مگر اسے رسید نہ ملی۔

ایک پرائیویٹ فرم میں انٹرویو کے لئے گیا اور خط و کتابت کا کام کرنے کا ایک حقیر سا مشورہ منظور کر لیا مگر چند ہی روز میں اس فرم نے اسے جواب دے دیا' انہیں عالم فاضل نہیں چاہئے تھا بلکہ ایسا تجربہ کار جو منڈیوں کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہو اور زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی کے گر جانتا ہو' البتہ وہ ٹائپ کا کام جانتا ہوتا تو کہیں نہ کہیں کھپ سکتا تھا' مختلف اسکولوں میں قسمت آزمائی کی لیکن کم سے کم تنخواہ پر بھی کوئی اسے لینے کو تیار نہ تھا کیونکہ وہ معلمی کی کوئی سند یا تجربہ نہیں رکھتا تھا اخباروں کے لئے مضامین لکھے مگر انہیں بلا معاوضہ بھی کسی نے قبول نہ کیا۔

اسے وطن آئے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اس کے پاس جو جمع پونجی تھی اس کا ایک بڑا حصہ ہوٹل کے کرائے اور کھانے پینے کے بلوں کی نذر ہو چکا تھا اور وہ دن دور نہیں تھا جب اسے اپنی اور بیوی کی طلائی گھڑیوں' بروچ' کیمرے' چاندی کے سگریٹ کیس وغیرہ کے

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

گاہکوں کی ٹوہ لگانی پڑے۔

ایک دن وہ علی الصباح اپنے کمرے سے نکل گیا' دوپہر ہوگئی مگر وہ کھانا کھانے نہ آیا اور روزمیری نے اس کے انتظار میں خود بھی کھانا نہ کھایا۔ جب وہ چائے کے وقت بھی نہ پہنچا تو اس کی بیوی کو تشویش ہوئی اور اس نے ہوٹل کے منیجر اور ملازموں سے پوچھ گچھ شروع کی مگر کسی نے اس بارے میں کوئی اطلاع بہم نہ پہنچائی۔

آخر شام کے چھ بجے کے قریب وہ لوٹا۔ مگر روز کی طرح مضمحل اور تھکا ہارا نہیں بلکہ اچھلتا کودتا ہنستا کھلکھلاتا۔

''پیاری روزمیری۔'' اس نے کہا۔ ''معاف کرنا تمہیں انتظار کی زحمت ہوئی مگر یہ جان کر تمہیں خوشی ہوگی کہ آخر کار' کام بن گیا۔ میں تمہیں بتاؤں گا نہیں بلکہ تمہیں بھی ابھی میرے ساتھ چل کر اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہوگا۔ میں نے آج ہی سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔''

اس نے ٹیکسی لی اور روزمیری کو لے کر شہر کے ایک ایسے حصہ میں پہنچا جو تھا تو بارونق مگر آبادی زیادہ گنجان نہ تھی' مکانوں کی بالائی منزلوں میں متوسط طبقے کے لوگ رہتے تھے اور نچلے حصوں میں غریب غرباء۔ ایک بازار کے نکڑ پر کھڑے ہو کر اس نے روزمیری سے کہا: ''ذرا اوپر دیکھو!''

وہ ایک سہ منزلہ عمارت کے سامنے کھڑے تھے جس کی اوپر کی منزلیں خاصی صاف ستھری تھیں البتہ نچلا حصہ' رہنے والوں نے اپنے پھوہڑ پن سے خراب کر دیا تھا اور پچھلی دیوار میں پڑوس کی کسی گوالن نے اپلے بھی تھوپ رکھے تھے۔ بالائی منزل کی پیشانی پر ایک بڑا سا نیا بورڈ آویزاں تھا جس کا روغن ابھی پورے طور پر سوکھنے نہیں پایا تھا۔ اس بورڈ پر جلی حروف میں لکھا تھا:

لندن اسکول آف بال روم ڈانسنگ

روزمیری فی الفور سمجھ گئی اور اس کا چہرہ یک لخت زرد پڑ گیا۔ مگر کچھ تو جھٹپٹے کی وجہ سے اور کچھ اپنی کامیابی کے نشے میں چور ہونے کے باعث فضل اس کے چہرے کے تغیر کو نہ دیکھ سکا۔

''آخر فنون لطیفہ کی خدمت بھی تو قومی خدمت ہی ہے نا!'' اس نے کہا۔

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

دو تماشے

مرزا ابر جیس قدر کو میں ایک عرصے سے جانتا تھا۔ ہر چند ہماری طبیعتوں اور ہماری سماجی حیثیتوں میں بڑا فرق تھا' پھر بھی ہم دونوں دوست تھے۔ مرزا کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جو کسی زمانے میں بہت معزز اور متمول سمجھا جاتا تھا' مگر اب اس کی حالت اس پرانے تناور درخت کی سی ہوگئی تھی جو اندر ہی اندر کھوکھلا ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر ایک دن اچانک زمین پر آ رہتا ہے۔

مرزا کو اپنے خاندان کے اس زوال کا پورا احساس تھا مگر اس کو روکنا اس کے بس کی بات نہ تھی البتہ جہاں تک ظاہری رکھ رکھاؤ کا تعلق تھا' مرزا اس میں ذرا سی کوتاہی بھی نہ ہونے دیتا تھا اس کے دل میں نہ جانے کیوں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ خاندان کا وقار قائم رکھنے کے لئے درشت مزاجی اور تحکم لازمی ہیں۔ اس خیال نے اسے سخت دل بنا دیا تھا' مگر یہ درشتی اور سختی اوپر ہی اوپر تھی' اندر سے مرزا بڑا نرم تھا اور یہی ہماری دوستی کی بنا تھی۔

ایک دن سہ پہر کو میں اور مرزا ابر جیس قدر انار کلی میں اس کی شاندار موٹر میں بیٹھے ایک مشہور جوتے والے کی دکان سے سلیم شاہی جوتا خرید رہے تھے۔ مرزا نے اپنا ٹھاٹھ دکھانے کے لئے یہ ضروری سمجھا تھا کہ وہ موٹر میں بیٹھے بیٹھے دکان کے مالک کو پکارے اور جوتے اپنی موٹر میں ہی ملاحظہ کرے۔ شہر میں ابھی مرزا کی ساکھ قائم تھی' اور دکان دار عام طور پر اس کی ان اداؤں کو سہنے کے عادی تھے' چنانچہ جوتے والے نے اپنے دو کارندے مرزا کی خدمت پر مامور کر دیئے۔

مگر مرزا کو کوئی جوتا پسند نہیں آ رہا تھا اور وہ بار بار ناک بھوں چڑھا کر ان کارندوں کو سخت وست کہہ رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے مرزا کو دراصل جوتے کی ضرورت ہی نہیں اور یہ جھوٹ موٹ کی خریداری محض بھرم رکھنے کے لئے ہے۔

عین اس وقت ایک بڈھا بھکاری ایک پانچ سالہ لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھے مرزا کی موٹر کے پاس آ کھڑا ہوا۔ یہ بڈھا اندھا تھا۔ لڑکی کے بالوں میں تنکے الجھے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا مدت سے کنگھی نہیں کی گئی۔ دونوں کے تن پر چیتھڑے لگے تھے۔

"اندھے پر ترس کھاؤ رے بابا!" بڈھے نے ہانک لگائی۔

"بابو جی بھوکی ہوں پیسہ دو" لڑکی نے لجاجت سے کہا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

مرزا نے ان لوگوں کی طرف توجہ نہ کی وہ بدستور جوتوں پر تنقید کرتا رہا۔ اندھے فقیر اور لڑکی نے اپنا سوال دہرایا۔ اس پر مرزا نے ایک غلط انداز نگاہ ان پر ڈالی اور کہا:

''معاف کرو' معاف کرو۔''

بھکاری اب بھی نہ ٹلے۔

''بابو جی رات سے کچھ نہیں کھایا ہے'' اندھے نے کہا۔

''بابو جی بڑی بھوک لگ رہی ہے' پیٹ میں کچھ نہیں ہے' لو دیکھو۔''

بچی نے کہا اور جھٹ میلا کچیلا کرتا اٹھا اپنا پیٹ دکھانے لگی۔ لاغری سے بچی کی پسلیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور گنی جا سکتی تھیں۔ ''بس ایک پیسے کے چنے بابو جی۔''

مرزا کو اس لڑکی کا میلا میلا پیٹ دیکھ کر گھن سی آئی۔

''توبہ توبہ!'' اس نے بیزاری کے لہجہ میں کہا۔ ''بھیک مانگنے کے لئے کیا کیا ڈھونگ رچائے جاتے ہیں۔ جاؤ جاؤ بابا خدا کے لئے معاف کرو۔''

مگر فقیر اب بھی نہ گئے قریب تھا کہ مرزا غصے میں بھنا جاتا۔ مگر یہ تماشہ اس طرح ختم ہو گیا کہ مرزا کو اس دکاندار کا کوئی جوتا پسند نہ آیا اور وہ اپنی موٹر کو وہاں سے بڑھا لے گیا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد میں اور مرزا ابر جیس قدر شہر کے ایک بڑے سینما میں ایک دیسی فلم دیکھ رہے تھے۔ فلم بہت گھٹیا تھی۔ اس میں بڑے نقص تھے مگر ہیروئن میں بڑی چنچک مٹک تھی اور وہ گاتی بھی خوب تھی۔ اس نے فلم کے بہت سے عیوب پر پردہ ڈال دیا تھا۔ کہانی بڑی دقیانوسی تھی۔ اس میں ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ بنک کے ایک چپڑاسی کو اس الزام میں کہ اس نے بنک لوٹنے میں مدد کی' پانچ سال قید کی سزا ہو جاتی ہے۔ اس چپڑاسی کی بیوی مر چکی ہے مگر اس کا ایک چار سالہ بیٹا تھا جو اپنی بوڑھی دادی کے پاس رہتا ہے۔ چپڑاسی کے قید ہو جانے پر دادی پوتا بھوکوں مرنے لگتے ہیں۔ ادھر کوٹھڑی کا کرایہ نہ ملنے پر مالک مکان انہیں گھر سے نکال دیتا ہے۔ بڑھیا پوتے کا ہاتھ پکڑ بازار میں بھیک مانگنے لگتی ہے وہ ہر راہ گیر سے کہتی ہے:

''بابو جی ہم بھوکے ہیں۔''

''ایک پیسے کے چنے لے دو بابو جی۔'' لڑکا کہتا۔

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

جب فلم اس مقام پر پہنچی تو مرزا برجیس نے اندھیرے میں مجھ سے کہا:

"بھیا ذرا اپنا رومال تو دینا۔ نہ جانے میرا کہاں گیا۔

میں نے اپنا رومال دے دیا۔

جب تک تماشہ ہوتا رہا' میں نے مرزا کو سخت بے چین دیکھا۔ وہ بار بار کرسی پر پہلو بدلتا اور ہاتھ چہرے تک لے جاتا۔ خدا خدا کر کے فلم ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ جلدی جلدی اپنی آنکھیں پونچھ رہا ہے۔

"ایں! مرزا صاحب۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا" آپ رو رہے تھے؟"

"نہیں تو۔" مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں جھوٹ بولتے ہوئے کہا:

"سگریٹ کے دھوئیں سے آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔۔۔۔۔۔۔ ارے بھئی میں یہ سوچ رہا ہوں کہ سرکار ایسی دردناک فلم دکھانے کی اجازت کیوں دیتی ہے۔"

◆◆◆

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

غازی مرد

رات کو جب کبھی کتوں کے بھونکنے یا مرغ کی بے وقت اذان سے چراغ بی بی کی نیند اچٹ جاتی تو وہ دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکلتی اور راہ ٹٹولتی ہوئی باہر آنگن میں اپنے شوہر کی چارپائی پر آ کر آہستہ سے بیٹھ جاتی اور اس کے پاؤں دابنا شروع کر دیتی اور پھر جب تک اسے دوبارہ نیند کے جھونکے نہ آنے لگتے وہ برابر دابتی رہتی۔

علیا اس کے ہاتھوں کے گرم گرم لمس کا ایسا عادی ہو گیا تھا کہ اس سے اس کی نیند میں ذرا خلل نہ پڑتا بلکہ ایسا آرام ملتا کہ وہ اور بے خبر ہو کر سوتا رہتا۔ اگر کبھی وہ جاگ بھی رہا ہوتا تو چادر کے نیچے دم سادھے پڑا رہتا۔ یہ چادر دراصل اس کا تہ بند تھی۔ جسے وہ مچھروں سے بچنے کے لئے رات کو اوڑھ لیا کرتا تھا مگر اس سے اس کا پورا جسم نہیں ڈھکتا تھا' اگر سر چھپاتا تو پاؤں ننگے رہتے۔

صبح کو جب علیا بیدار ہوتا تو چراغ بی بی اس سے پہلے جاگی ہوتی اور آنگن میں وضو کرنے یا کوٹھڑی میں نماز پڑھنے میں مشغول ہوتی' وہ نماز کے الفاظ اسطرح ادا کرتی جیسے کوئی سرگوشی کر رہا ہو۔ خاص طور پر آخر کے دعائیہ فقرے علیا کو صاف سنائی دیا کرتے۔

''یا پاک پروردگار! اپنے حبیب کے صدقے میں اس اندھی محتاج کے سر کے سائیں کو ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھ۔ یا پاک پروردگار اپنے حبیب کے صدقے اس کے سب دشمنوں کو نیچا دکھا۔ یا پاک پروردگار اپنے حبیب کے صدقے اسے ہر بلا سے بچا۔ یا پاک پروردگار میری دعا قبول کر۔ پہلے میں مروں' بعد میں وہ مرے۔ آمین۔''

علیا چارپائی سے اٹھتا۔ چادر کو جھاڑ پٹک کر کمر پر باندھ لیتا۔ چادر کا پھٹا کا سن کر چراغ بی بی جلدی سے کوٹھڑی سے نکلتی اور بڑی لجاجت سے پوچھتی:

''مجھے بلایا ہے جی؟''

بعض دفعہ علیا حاضر بھی ہوتا تو وہ اسے غائب تصور کر کے آپ ہی آپ بولتی رہتی۔

''مجھ عیبوں بھری کو گلے سے لگایا۔ اس کا اجر اللہ اور اس کا حبیب اس کو دے گا۔ میں اندھی محتاج کس لائق ہوں۔ میں اس کا بدلہ کیا دے سکتی ہوں۔ میں تو آگ بھی نہیں جلا سکتی۔ روٹی بھی نہیں پکا سکتی۔ کپڑا بھی نہیں سی سکتی۔ کوئی گھر کا یا باہر کا کام نہیں کر سکتی' ہاں

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

ایک پاؤں دابنا ہے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟''

چراغ بی بی گاؤں کی مسجد کے بوڑھے امام کی بیٹی تھی جس کی ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔ مولوی صاحب خود تو بینا تھے مگر بیٹی کی آنکھیں چیچک میں جاتی رہی تھیں مولوی صاحب نے بن ماں کی بیٹی کو بڑی مصیبتوں سے پالا تھا۔ گاؤں کے سب چھوٹے بڑے ان کی عزت کرتے تھے۔ گاؤں کے سب نوجوان بلکہ انکے باپ بھی مولوی صاحب سے کم از کم بغدادی قاعدہ ضرور پڑھ چکے تھے۔

جب امام صاحب کا آخری وقت آیا تو انہوں نے گاؤں کے بڑے بوڑھوں کو بلوایا اور ان سے بڑی عاجزی سے کہا:

میں اپنے پیچھے ایک یتیم بچی چھوڑے جا رہا ہوں۔ وہ کبھی کی بیاہنے کے لائق ہو چکی ہے مگر ابھی اس کا بیاہ نہیں ہوا' اگر میرے پیچھے وہ یونہی رہی تو میری روح ہمیشہ تڑپتی رہے گی۔ میں نے عمر بھر آپ لوگوں کی جو بری بھلی خدمت کی ہے اس کے بدلے میں اگر میری بیٹی کو کہیں ٹھکانے لگا دیا جائے تو اس سے میری روح ہی خوش نہیں ہوگی بلکہ آپ لوگوں کو بھی اس کا اجر ملے گا' اس دنیا میں بھی' آخرت میں بھی۔''

اور مولوی صاحب چل بسے۔ ان کی تجہیز و تکفین کے بعد گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے یہ مسئلہ پنچائیت میں پیش کیا اور خاص طور پر نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ہے کوئی تم میں سے وہ غازی مرد جو خدا ترسی کرے اور امام صاحب کے احسان کا بدلہ اتارے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ آخر ایک نوجوان کی غیرت جوش میں آئی۔ وہ تھا تو غریب زمیندار کا بیٹا مگر اپنے منچلے پن کی وجہ سے ہر کام میں سب نوجوانوں سے آگے آگے رہتا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کار خیر کے لیے خود کو پیش کر دیا یہ علیا تھا۔

اس پر کئی بن بیاہی بیٹیوں کے باپ جو علیا کو داماد بنانے کے خواب دیکھا کرتے تھے گم سم ہو گئے۔ وہ اپنے گاؤں کے نوجوانوں میں سے کسی ایسے شخص سے اس قربانی کی توقع رکھتے تھے جو ان کی نظر میں سیدھا سادہ ہو اور گاؤں میں اس کی کوئی اہمیت نہ ہو نہ کہ علیا سے جو اپنی کئی خوبیوں کی وجہ سے گاؤں بھر کے نوجوانوں میں انتخاب تھا' اور اس طرح چراغ بی بی' علیا کے گھر میں بس گئی۔

علیا کو باپ سے ورثے میں زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملا تھا۔ محنت سے اس پر کھیتی باڑی کرتا اور جو تھوڑا بہت اناج مل جاتا اس پر صبر و شکر کر کے گزارا کرتا بیوی کا کوئی خاص خرچ نہیں تھا۔ نہ اسے زیوروں اور نئے کپڑوں کی تمنا تھی۔ وہ مسجد کے حجرے میں پلی بڑھی تھی۔ روزہ نماز گویا اس کی گھٹی میں پڑا تھا۔ ابھی بچی ہی تھی کہ پانچوں وقت کی نماز بڑی پابندی سے ادا کرنے اور رمضان کے تیسوں روزے رکھنے لگی تھی۔ اس پر وہ نابینا بھی تھی۔ اسے ماسوائے اللہ کو یاد کرنے کے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ بہت سی دعائیں اس نے چھوٹی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

عمر میں ہی باپ سے سیکھ لی تھیں۔ ایک دو پارے بھی اسے حفظ تھے۔ علیا کے گھر آ کے اسکے مذہبی جوش میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ عبادت گزاری نے کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر لی تھی۔ اس کی کوٹھڑی میں آٹھ پہر اس کا مصلہ بچھا رہتا جس پر وہ نمازوں کے علاوہ دیر تک وظیفے بھی پڑھتی رہتی۔ اس کی کوٹھڑی سے اکثر اگر اور لوبان کی خوشبوئیں آتی رہتیں۔ ساتھ ساتھ یا غفور یا رحیم' یا غفور یا رحیم کا ورد بھی دھیرے دھیرے بلند ہوتا جاتا۔ ایسے میں اگر علیا گھر آتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی خانقاہ میں داخل ہو گیا ہو۔ وہ خود تو نماز روزے کا زیادہ قائل نہ تھا مگر چراغ بی بی کے اس مذہبی ولولے کو احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیا کرتا کہ ایسی پاک ہستی کے ساتھ مناکحت کے فرائض انجام دینا بھی عبادت سے کم نہیں ہے۔

علیا نے تھوڑے سے اناج اور چارہ پر گاؤں کی ایک بیوہ کی لڑکی رحمتے کو ہنڈیا روٹی اور گھر کے دوسرے کاموں کے لئے رکھ لیا تھا۔ یہ لڑکی جس کی عمر دس گیارہ برس کی تھی محنتی تو تھی مگر ساتھ شوخ بھی تھی' دن بھر چراغ بی بی کے ساتھ اس کی خوب گزرتی۔ چراغ بی بی اس سے خدا اور رسول کی باتیں کیا کرتی اور رحمتے اسے ادھر ادھر کے لطیفے اور چٹکلے اور گاؤں کی روز روز کی خبریں سناتی۔ گاؤں بھر میں صرف رحمتے ہی ایک ایسی لڑکی تھی جس سے چراغ بی بی اپنے دل کے راز کہا کرتی۔

''رحمتے' میرا بابا کہا کرتا تھا' بیٹا صبر کر۔ اللہ کا کوئی مودی ضرور آئے گا۔ ضرور آئے گا وہ تجھے خاک سے اٹھائے گا۔ وہ تجھے گلے لگائے گا۔ بابا کا کہنا سچ ہوا۔ آخر میرا شہزادہ آ ہی گیا۔ رحمتے! وہ یوسف سے زیادہ حسین ہے۔ اس میں پیغمبروں والی شان ہے۔ وہ غازی مرد ہے۔ اس نے میری خاطر گدائی قبول کی۔ گاؤں کا نمبردار اپنی بیٹی کو اس سے بیاہنا چاہتا تھا اور سینکڑوں بیگھے زمین اسکے نام لکھنا چاہتا تھا مگر اس نے مجھ عیبوں بھری اندھی کی خاطر دولت کو ٹھکرا دیا۔ وحشن دولت آنی جانی ہے۔ مرنے پر سارا مال و زر یہیں دھرا رہ جاتا ہے بس نیک اعمال انسان کے ساتھ جاتے ہیں۔''

رحمتے کہتی:

''چاگاں بی بی! اللہ کی سونہہ چودھری علیا بڑا گبھرو جوان ہے' تو بڑی بھاگوں والی ہے۔ اس کے گلے میں چاندی کا تعویذ کالے ڈورے میں بندھا بڑا اچھا لگتا ہے۔''

اس پر چراغ بی بی جوش میں آ کر کہتی:

''رحمتے! ہے گاؤں میں کوئی اور جوان جو گھوڑے کی سواری میں' کشتی میں' کبڈی میں اس سے بازی لے جاسکے' فصل کاٹنے میں اس کا ہاتھ ایسی تیزی سے چلتا ہے جیسے پانی میں مچھلی چلتی ہے۔ جتنی دیر میں چار جوان فصل کاٹیں اتنی دیر میں وہ اکیلا ان کے برابر

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

کاٹ کے رکھ دیتا ہے۔ اس کے بال گھنگھریالے ہیں' اس کا جسم سڈول ہے۔ جب میں اس کے پاؤں داب رہی ہوں تو مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔ جب اکھاڑے کی مٹی اس کے جسم کو لگتی ہے تو وہ اور بھی چمکنے لگتا ہے۔''

ان باتوں کا سب سے اچھا وقت وہ ہوتا جب رحمتے آنگن میں چولہے کے پاس بیٹھی توے پر روٹیاں ڈال رہی ہوتی اور چراغ بی بی اس کے ساتھ ہی چوکی پر آ بیٹھتی جب وہ علیا کے بعض ایسے کمالات جو ظاہر میں نظر نہ آتے بیان کرتی تو رحمتے بے اختیار کہہ اٹھتی

''اچھا چاگاں بی بی!''

اور جب چراغ بی بی بولتے بولتے تھک جاتی تو رحمتے شروع ہو جاتی۔ ''سنا چاگاں بی بی' آج رسولاں کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اتنی چھوٹی جیسے چوہیا ہو۔۔۔۔۔۔ نمبردار کی بیٹی کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان دنوں سنا ہے کہ شہر سے بینڈ باجے والے بلائے جائیں گے۔۔۔۔۔۔ رات مٹھو کی دکان سے پانچ سیر تمبا کو چوری ہو گیا۔''

ایک دن رحمتے روز سے ذرا جلدی آ گئی وہ جوش میں بھری ہوئی تھی جیسے کوئی بڑی انوکھی خبر لائی ہو۔ جیسے ہی علیا کھیت پر روانہ ہوا وہ پھوٹ پڑی:

''سنا چاگاں بی بی! ہمارے قریب جو گاؤں ہے ''دھوپ چڑھی'' اس میں ایک زمیندار عمر و رہتا ہے۔ اس نے نئی شادی کی ہے۔ خود تو کمبخت ساٹھ برس کا ہے مگر دلہن سولہ سترہ برس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ سب گاؤں والے اسے برا کہہ رہے ہیں مگر اس کو کسی کی پروا نہیں بلکہ اس نے سب کو جلانے کے لئے دلہن کا گھونگھٹ اٹھوا دیا اور بڑی بڑی عجیب عجیب باتیں شروع کر دیں۔

''سنا ہے اس نے دو سفید گھوڑے خریدے ہیں۔ ایک اپنے لئے ایک دلہن کے لئے۔ ہر روز صبح کو دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر سیر کو نکلتے ہیں۔ کبھی بڈھے کو کوئی کام ہوتا تو وہ گلنار کو اکیلا ہی بھیج دیتا ہے۔ سنا ہے کل گلنار اکیلی گھوڑے پر سوار سیر کرتی ہمارے گاؤں کی طرف آ نکلی۔ اس نے گاؤں والوں سے بڑی آزادی سے باتیں کیں۔ کچھ لڑکے اس کے سفید گھوڑے کے پیچھے ہو لئے۔ وہ سب اس کو بڑی حیرانی سے دیکھتے تھے۔ اس کا رنگ میموں کی طرح گورا ہے اور بال سنہرے ہیں۔ سنا ہے وہ بڑی خوبصورت ہے اس نے ریشمی قمیض اور شلوار پہن رکھی تھی۔ اس پر بڑے بڑے گلاب کے پھول بنے تھے۔ پاؤں میں زری کی جوتی تھی۔ اس نے سرخ دوپٹے کو جس کے کنارے پر گوٹا لگا تھا' چھاتی پر بل دے کر گرہ باندھ لی تھی' وہ بڑی شان سے گھوڑے پر بیٹھی تھی جیسے کہیں کی رانی ہو۔ اس نے ہمارے کھیتوں کی بھی خوب سیر کی۔۔۔۔۔۔ اور چاگاں بی بی چودھری علیا نے بھی تو اسے دیکھا تھا بلکہ کچھ باتیں بھی کی تھیں۔ شاید وہ راستہ پوچھ رہی تھی۔''

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

''کیا کہا تو نے؟ اس نے دیکھا تھا؟ اس نے باتیں کی تھیں؟''

''ہاں چاگاں بی بی''

''میرے شہزادے نے؟''

''ہاں علیا چودھری نے' چاگاں بی بی!''

''چل چپ رہ' زیادہ باتیں نہ بنا' میرے سر میں درد ہو رہا ہے میں جاتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ چوکی سے اٹھی اور راہ ٹٹولتی ہوئی اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔ اس دن اس نے رحمتے سے اور کوئی بات نہ کی۔

شام کو علیا کھیتوں سے واپس آیا۔ گھر پر وہ زیادہ تر خاموش ہی رہا کرتا تھا مگر اس شام وہ گھر میں زیادہ چلا پھرا بھی نہیں۔ پہلے خاموشی سے چارپائی پر بیٹھ کر کھانا کھاتا رہا۔ پھر حقہ بھرا اور دیر تک پیتا رہا۔ اس عرصے میں چراغ بی بی بھی خاموش رہی مگر جب علیا سونے لگا اور تہبند کو چادر کی طرح اوڑھ کر چارپائی پر لیٹ گیا تو حسب معمول اس کے پاس آئی اور اسکی چارپائی پر بیٹھ کر اسکے پاؤں دابنے لگی مگر ابھی پندرہ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ علیا نے کہا۔ چاگاں بس کر مجھے نیند آ رہی ہے۔''

علیا کے اس خلاف معمول رویہ پر وہ بھونچکی رہ گئی۔ اس نے ایک دبی دبی سی آہ بھری اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد اسکی کوٹھڑی سے ''یا غفور یا رحیم یا غفور یا رحیم'' کے الفاظ سنائی دینے لگے۔ یہ وظیفہ کوئی گھنٹہ بھر جاری رہا۔ پھر چراغ بی بی ہاتھوں سے راہ ٹٹولتی اس کی چارپائی کے پاس پہنچی اور بڑی ملائمت سے اس کے پاؤں کو جو چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے چھوا' اس کا جی چاہا کہ وہ چارپائی پر بیٹھ جائے اور معمول کی طرح اسکے پاؤں دابنا شروع کر دے مگر اسے جرات نہ ہوئی اور وہ واپس اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد کوٹھڑی سے پھر آواز آنے لگی جیسے کوئی سرگوشی کرتا ہے۔

''مجھ عیبوں بھری کو گلے سے لگایا۔ اس کا اجر اللہ اور اس کا حبیب اس کو دے گا۔ میں اندھی محتاج کس لائق ہوں' یا پاک پروردگار اپنے حبیب کے صدقے میرے سر کے سائیں کو ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھ۔ یا پاک پروردگار اس کے دشمنوں کو زیر کر۔ یا پاک پروردگار اپنے حبیب کے صدقے کوئی اس پر حسن کا وار کرے اس کے حسن کو غارت کر' یا پاک پروردگار اپنے حبیب کے صدقے میری دعا قبول کر۔ یا پاک پروردگار پہلے میں مروں بعد میں وہ مرے۔ آمین'' دو گھنٹے بعد وہ اپنی کوٹھڑی سے پھر نکلی اور اس کی چارپائی کے پاس پہنچ کر اس کے پیروں کو ٹٹولنے لگی اور یہ اطمینان کر کے کہ وہ چارپائی پر بدستور چادر تانے سو رہا ہے وہ پھر اپنی کوٹھڑی

AllUrduPdfNovels.Blogspot.com

میں چلی گئی۔

ابھی کچھ کچھ رات باقی تھی کہ وہ پھر کوٹھڑی سے نکلی اور سائے کی طرح چلتی ہوئی علیا کی چارپائی کے قریب آئی اور اپنے گرم گرم ہاتھوں سے اس کے پاؤں ملنے لگی۔ پھر اس کے پائتی زمین پر بیٹھ گئی اور اس کے دونوں پاؤں کے تلوؤں کو چوما۔ علیا نے سوتے میں کروٹ بدلی اور اپنی ٹانگوں کو سکیڑ کر چادر کے اندر کر لیا۔

جب صبح صادق نمودار ہوئی تو چراغ بی بی کی کوٹھڑی سے پھر آواز آنے لگی اب کے آواز میں غیر معمولی جوش تھا اور وہ معمول سے زیادہ بلند تھی۔ "اس نے مجھ اندھی عیبوں بھری کی خاطر گدائی قبول کی۔ اس نے مجھے گلے سے لگایا میرا شہزادہ یوسف سے زیادہ حسین ہے۔ اس میں پیغمبروں والی شان ہے۔۔۔۔۔۔"

◆◆◆